# اسلام کا سرچشمۂ قوّت

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ترتیب وحواشی:

حفیظ الرحمٰن احسنؔ

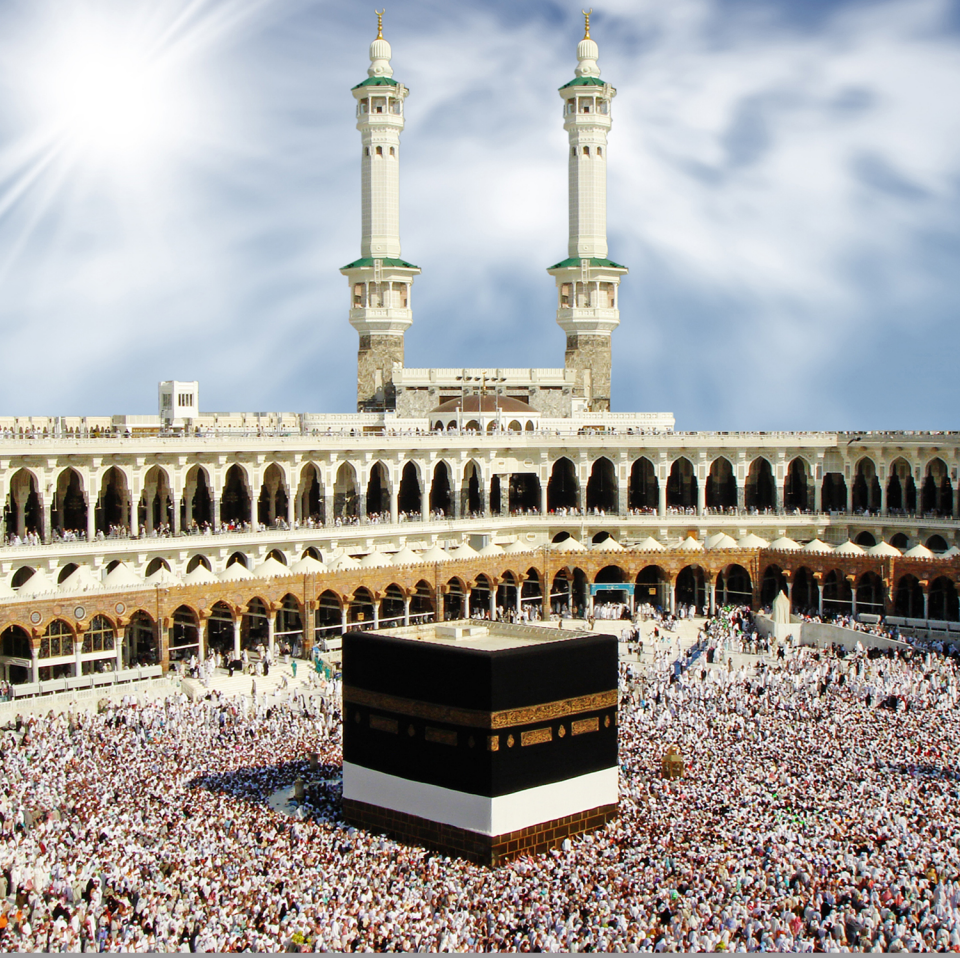

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اسلام کا سرچشمۂ قوت

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

QuranUrdu.com

# فہرست


| | |
|---|---|
| 44 سال بعد | 1 |
| مزید 33 سال بعد | 6 |
| **حصہ اول** | |
| اسلام پر کفر کی یورش کے اسباب | 10 |
| تدابیر دفاع | 16 |
| **حصہ دوم** | |
| اسلام کی قوت کا اصل سرچشمہ، دعوت وتبلیغ | 23 |
| اشاعتِ اسلام کے اسباب | 28 |
| صوفی مبلغین اسلام کی خدمات جلیلہ | 38 |
| اشاعتِ اسلام افریقہ میں | 47 |
| اشاعتِ اسلام چین میں | 54 |
| اشاعتِ اسلام، جزائر ملایا میں | 58 |
| دعوت عمل | 71 |
| داعی اور دعوت | 78 |


**نوٹ:** فہرست پر کلک کر کے ابواب تک براہِ راست پہنچا جا سکتا ہے، جبکہ ہر صفحے سے فہرست پر جانے کی سہولت موجود ہے۔

QuranUrdu.com

# 44 سال بعد

ملت اسلامیہ نے گزشتہ دوسو سال میں مغربی تہذیب کے ہاتھوں بہت سے زخم کھائے ہیں۔ اس تہذیب کی اخلاق باختہ حریت فکر کے علمبرداروں اور تحقیق و اکتشاف کے مدعی شمشیر بستہ حملہ آوروں کے مقابلے میں یہ ملت جس انتشار اور ہزیمت و شکست خوردگی کی کیفیت سے دوچار ہوئی ہے وہ اس کی تاریخ کا ایک اندوہناک باب ہے۔ ایک ایسا باب جو مقام نوحہ و ماتم بھی ہے اور محل عبرت بھی!

اس اندوہناک باب کے اوراق سارے عالم اسلام میں جابجا بکھرے ہوئے ہیں۔

گزشتہ صدی میں اسی الم انگیز صورت حال پر ایک دردمند دل کی دھڑکنیں ان الفاظ میں ڈھل گئی تھیں۔

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے　　اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد　　دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

(حالی)

اور جب اس دلِ دردمند نے اقبالؔ کی جانِ ناصبور کا روپ دھارا۔ تو ملت اسلامیہ کا یہ غم اس کے سوزِ خودی میں ڈھل کر ان الفاظ میں منعکس ہوا:

نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لیے

آخر اس جانِ ناصبور کا سوزِ آرزو رنگ لایا اور اس نے ایک ایسے قلم کا پیکر اختیار کیا جس میں

پھول کی نزاکت بھی ہے اور ہیرے کی صلاحیت بھی۔

## یہ عہد ساز قلم گزشتہ نصف صدی سے:

- ملت اسلامیہ کو اس کے مقصدِ وجود کا بھولا ہوا سبق یاد دلا رہا ہے۔
- یہ قلم ملت اسلامیہ کو اس کی گزشتہ عظمتوں اور رفعتوں سے روشناس کر کے ان کا امانت دار بنانے کی حیات آفریں خدمت سرانجام دے رہا ہے۔
- یہ قلم ایک حیرت انگیز اعتماد اور معجزانہ استقامت کے ساتھ مغربی تہذیب اور اس کی کوکھ سے جنم لینے والے افکار و نظریات کا تار و پود بکھیر رہا ہے۔
- یہی قلم آج اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور تہذیب حاضر کی ہزیمت اور ناکامی کی علامت بن گیا ہے!

## یہ قلم مفکر اسلام سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا قلم ہے!

ان کے عہد ساز قلم نے اسلامی لٹریچر میں ایک عظیم الشان اور گراں قدر ذخیرے کا اضافہ کیا ہے اور اردو ادب کو علمی اور فکری سرمائے سے مالا مال کر دیا ہے۔

لاریب اس صدی میں دین اسلام کی جرأت مندانہ ترجمانی اور عہد حاضر کے باطل افکار و نظریات کے مقابلے میں اس کی آبرومندانہ مدافعت کا یہ غیر معمولی کارنامہ جو نصف صدی پر محیط ہے، ایک ایسا اعزاز ہے جو اس برصغیر کی گزشتہ تاریخ میں اور عالم اسلام کے موجودہ دو سو سالہ دور ابتلا میں کسی دوسری ہستی کو حاصل نہیں ہوا!

ساٹھ سے زائد عظیم الشان علمی و تحقیقی اور عہد آفریں کتابوں[1] کا مصنف اور برصغیر کی موجودہ تحریک اسلامی کا بانی و قائد، دین و ملت کی پچاس سالہ خدمت کا ایک ایسا اعزاز اپنے دامن میں

---

[1] ان میں سے مختلف کتابوں کے تراجم پورے کرۂ ارض پر پائے جانے والے بہت سے ممالک کی تقریباً ستر زبانوں میں ہو چکے ہیں اور یہ کام تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ سب سے زیادہ زبانوں میں چھپنے والی کتاب رسالہ ''دینیات'' ہے جس کا ترجمہ کم و بیش 60 زبانوں میں ہو چکا ہے۔ ''تفہیم القرآن'' جس کی تکمیل 1972 میں ہوئی تھی، انگریزی، فارسی، عربی، سندھی، پشتو، ترکی، ملیالم اور بنگلہ میں پوری طرح منتقل اور شائع ہو چکی ہے۔ تفہیم کے جزوی تراجم ان زبانوں میں ہوئے ہیں: دَری (افغانستان)، ہندی، آسامی، گجراتی، تلگو، تامل، اریہ (اڑیسہ)، یوروبا (نائیجیریا)، تھائی، سنہالی (سری لنکا) اور روسی وغیرہ۔ ان تراجم کا دائرہ بھی وسیع ہو رہا ہے۔

رکھتا ہے[1] جس نے اسے عالم اسلام کی امید اور ملت اسلامیہ کی آنکھ کا تارا بنا دیا ہے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (سورۃ الجمعہ، آیت نمبر 4)

پیش نظر کتاب ''اسلام کا سرچشمہ قوت'' عالم اسلام کے اسی بطل جلیل کی اب سے 44 سال پہلے کی تصنیف[2] ہے۔ اس کتاب کا تعلق اس زمانے سے ہے جب موصوف ایک نوعمر صحافی کی حیثیت سے چار سال تک ''تاج'' جبلپور (1920ء) اور ''مسلم'' دہلی (23-1921ء) کی ادارت کے فرائض انجام دے چکے تھے اور ''الجمعیۃ'' دہلی (1925ء) کے تنہا ذمہ دار ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ یہ کتاب ایک مسلسل اداریے کی شکل میں لکھی گئی تھی جو ''اسلام کی قوت کا اصلی سرچشمہ'' کے عنوان سے الجمعیۃ کے 18، 22، 26 اور 29 جولائی اور 10، 14 اور 18 اگست 1925ء کے شماروں میں اشاعت پذیر ہوتا رہا۔ 44 سال تک یہ مضمون الجمعیۃ کے پرانے فائلوں میں دفن رہا اور اب اسے پہلی مرتبہ کتابی پیراہن میں پیش کرنے کا شرف ''ایوان ادب'' لاہور کو حاصل ہو رہا ہے۔

یہ تاریخی کتاب پیش کرتے ہوئے ہمارے دل خدائے بزرگ و برتر کے حضور میں سپاس و تشکر کے جذبات سے لبریز ہیں۔ ہم مرتب کتاب جناب شہیر نیازی صاحب کے بھی ممنون ہیں کہ انہوں نے یہ کتاب اشاعت کے لیے ہمیں عنایت فرمائی۔

اب تک ''الجہاد فی الاسلام'' کو مولانا کی پہلی باقاعدہ تصنیف کی حیثیت حاصل ہے (جس کا سنِ تصنیف و اشاعت 1927ء ہے) لیکن اب بجا طور پر امید کی جاسکتی ہے کہ ''اسلام کا سرچشمۂ قوت'' کی اشاعت پر زمانی اعتبار سے اسی کو مولانا کی اولین تصنیف تسلیم کیا جائے گا، اِس سے قطع نظر کہ اس کی اشاعت سن تصنیف کے 44 سال بعد ہو رہی ہے۔

قارئین کے لیے یہ امر ایک خوشگوار حیرت کا موجب ہوگا کہ ان دونوں کتابوں کی تصنیف

---

[1] یاد رہے کہ یہ تحریر 1969ء کی ہے۔

[2] بہ عمر 22 سال (سن پیدائش 1903ء) اب اس تحریر پر 33 سال گزر چکے ہیں۔

میں ایک ایسا فطری تسلسل اور معنوی ربط پایا جاتا ہے جو ان کے پہلو بہ پہلو مطالعے سے بالکل عیاں طور پر سامنے آجاتا ہے۔ مزید برآں واقعاتی طور پر ان کتابوں کی تصنیف کے فوری محرکات میں بھی ایک نام قدر مشترک کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ ہے ہندوستان میں شُدھی کی تحریک کے بانی ''سوامی شردھانند'' کا نام۔

مولانا نے ''الجہاد فی الاسلام'' کی طبع اول کے دیباچے میں اس کی تصنیف کے محرکات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا:

''لیکن دسمبر 1926ء کی آخری تاریخوں میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے مجھے مشکلات سے قطع نظر اقدامِ عمل پر مجبور کر دیا۔ یہ واقعہ شُدھی کی تحریک کے بانی سوامی شردھانند کے قتل کا واقعہ تھا، جس سے جُہلاء اور کم نظر لوگوں کو اسلامی جہاد کے متعلق غلط خیالات کی اشاعت کا ایک نیا موقع مل گیا۔'' اور اسلام کا سرچشمۂ قوت'' اُس وقت لکھی گئی جب (1925ء میں) اسی سوامی شردھانند کی شُدھی کی تحریک سے مسلمانوں میں کھلبلی مچی ہوئی تھی اور اس بات کا عام چرچا ہو رہا تھا کہ اس تحریک کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں کو کیا تدابیر اختیار کرنی چاہییں۔

امید ہے کہ نصف صدی گزر جانے کے باوجود کتاب کے مباحث کی تازگی، مصنف کے اسلوب کی رعنائی اور اُس کے افکار کی رفعت و عظمت کو اہل نظر اسی طرح خراجِ تحسین پیش کریں گے جس طرح وہ اب سے چوالیس سال پہلے اس کی اشاعت پر پیش کرتے۔ راقم الحروف خود کو اس کتاب پر کسی نقد و تبصرہ کا اہل نہیں سمجھتا لیکن ایک قاری کی حیثیت سے اُسے جس چیز نے ایک گونہ استعجاب کی کیفیت سے دوچار کیا ہے وہ صاحب کتاب کا حیرت انگیز فکری تسلسل ہے جو اب سے نصف صدی پہلے کی اس تصنیف اور اب تک کی دیگر تصانیف کے درمیان ایک روشن خطِ مستقیم کی طرح جگمگا رہا ہے۔ راقم الحروف کا تاثر یہ ہے کہ فکری طور پر ایسی مُنضبط شخصیت اور ایسا مربوط ذہن دنیا کے عظیم ترین مفکروں میں بھی کسی کو کم ہی میسر آیا ہوگا۔ یہ فکری یکسوئی اور ''شانِ حنیفی'' یقیناً خدا کے دینِ برحق کا فیض بھی ہے اور خالقِ حقیقی کی شانِ کریمی کا خاص انعام بھی، جس انعام سے وہ

اپنے اُن بندوں کو نوازتا رہا ہے جن سے اُسے اپنے دین کی کوئی خاص خدمت لینا ہوتی ہے۔

اس فکری تسلسل کے شواہد مولانا کی تصانیف کے ہر صفحے پر بکھرے ہوئے ہیں اور وہ اُن کے کسی خوش ذوق قاری کی نظر سے اوجھل نہیں ہیں۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے اِس کتاب کے آخر میں مولانا کی 1927ء کی ایک تقریر کا اقتباس دیا جا رہا ہے جس کے مطالعے کے بعد وہ اِس نادرِ روزگار شخصیت کی حیرت انگیز فکری یکسوئی پر بیساختہ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

العاجز: حفیظ الرحمٰن احسن
(مہتمم ایوانِ ادب)
25 جولائی 1969ء

QuranUrdu.com

# مزید 33 سال بعد

پیشِ نظر کتاب ''اسلام کا سرچشمۂ قوت'' پہلی مرتبہ 1969ء میں ایوانِ ادب لاہور کی طرف سے شائع ہوئی۔ اس کی طبع دوم کا سالِ اشاعت 1971ء ہے۔ یہ گویا کتاب کا پہلا ایڈیشن تھا جو دوبار شائع ہوا۔ اب اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ترتیبِ نو اور نئے طباعتی پیرہن کے ساتھ ادارہ ترجمان القرآن لاہور کی جانب سے اشاعت پذیر ہو رہا ہے۔

پہلے ایڈیشن پر مرتب کی حیثیت سے نام جناب شہیر نیازی صاحب کا تھا جبکہ اس کی ترتیب و تدوین کے سلسلہ میں راقم الحروف کی جانب سے جو کاوش کی گئی تھی اس کا ذکر 5 نکات کے تحت عرضِ ناشر بعنوان ''44 سال بعد'' میں کر دیا گیا تھا۔ طبع دوم کے کچھ عرصہ بعد بطورِ ناشر میں نے اس کتاب کے حقوقِ اشاعت بعض وجوہ کی بنا پر مرتب اول کو لوٹا دیے تھے۔ میرے علم کی حد تک یہ کتاب بعد میں کبھی شائع نہیں ہوئی۔ اِس عرصے میں اِس کتاب کے قدرشناسوں کی جانب سے اسے دوبارہ شائع کرنے کا تقاضا ہوتا رہا لیکن بعض اسباب کی بنا پر اس کی اشاعت کی نوبت نہ آسکی۔ اب 33 سال بعد، بحمداللہ اس کا نیا ایڈیشن خاص اہتمام کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ امید ہے اس اہم کتاب سے استفادہ اور اس کی پذیرائی کا دائرہ اس کے شایانِ شان طریقے سے وسیع سے وسیع تر ہوگا۔

گزشتہ 33 سال میں اس کتاب کے حوالے سے دو اہم واقعات رونما ہوئے۔ 1976ء کے لگ بھگ مجھے ایک کُہنہ فروش کے واسطے سے ''الجمعیۃ'' دہلی کے ایسے ڈیڑھ سو سے زائد شمارے حاصل کرنے کی سعادت ملی جن کا تعلق مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے دورِ ادارت سے

تھا۔ اِن میں متعدد وہ پرچے بھی شامل تھے جن میں پیشِ نظر کتاب کا سلسلۂ مضمون ادارتی کالموں کی صورت میں شائع ہوا تھا۔ بعدازاں مولانا کے دورِ ادارت کا مکمل ریکارڈ مولانا خلیل احمد حامدی مرحوم ومغفور نے حیدرآباد دکن کے ایک ریسرچ اسکالر جناب ڈاکٹر محمد رفیع الدین فاروقی کی وساطت سے ادارہ معارف اسلامی لاہور کے لیے حاصل کرلیا۔ پھر اس کی مدد سے جناب خلیل حامدی نے سید مودودیؒ کے ادارتی مضامین اور کالموں کو 4 ضخیم کتابوں کی صورت میں شائع کیا جن کے نام یہ ہیں:

1۔ صدائے رُستاخیز　　(1925ء کے اداریوں پر مشتمل)

2۔ بانگِ سحر　　(1926ء کے اداریوں پر مشتمل)

3۔ آفتابِ تازہ　　(1927ء کے اداریے)

4۔ جلوۂ نور　　(1928ء کے اداریے)

''اسلام کا سرچشمۂ قوت'' کو چوتھے مجموعے ''جلوۂ نور'' میں بطور ضمیمہ شامل کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں دو باتیں تعجب خیز ہیں جو غالباً کسی غلط فہمی کے باعث یا شاید قدرے سہل انگاری یا کسی مجبوری کی بنا پر رونما ہوئیں۔ پہلی بات تو یہ کہ یہ سلسلۂ مضامین 1925ء سے تعلق رکھتا ہے اس لیے اسے پہلے مجموعے (صدائے رُستاخیز) میں آنا چاہیے تھا۔ دوسرے یہ کہ یہ ضمیمہ تقریباً پورے طور پر اُس کتاب کی نقل ہے جو ''اسلام کا سرچشمۂ قوت'' کے نام سے شائع ہوئی حالانکہ اس کتاب میں اصل اخباری مضامین پر بہت سے ذیلی عنوانات کا اضافہ راقم الحروف کی طرف سے کیا گیا تھا، نیز مرتب اول نے ان اداریوں کی ترتیب بھی بلاجواز تبدیل کردی تھی، یعنی پہلے ایڈیشن میں کتاب کو جن دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا اس کا حصہ اول دراصل حصہ دوم تھا اور حصہ دوم اس کے برعکس حصہ اول۔ ''جلوۂ نور'' میں اگر اس کی وضاحت کردی جاتی تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔

بہرکیف موجودہ ایڈیشن میں اداریوں کی صحیح تاریخی ترتیب قائم کردی گئی ہے۔

علاوہ ازیں موجودہ ایڈیشن کے سلسلے میں چند مزید گزارشات پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے:

1) ''اسلام کا سرچشمۂ قوت'' کا سلسلۂ مضمون جن اخبارات سے حاصل کیا گیا ہے وہ اخبارات خاصی تعداد میں راقم الحروف کے پاس اور مائیکروفلم کی صورت میں مکمل ادارۂ معارف اسلامی کے پاس موجود ہیں۔

2) ''اسلام کا سرچشمۂ قوت'' میں شامل شدہ مضامین یا اداریے 1925ء میں لکھے گئے تھے۔ تب سے اُن سب احوال وظرُوف پر پون صدی گزر چکی ہے جن کے پیش نظر فاضل مصنف نے امت مسلمہ کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا تھا۔ حیرت کی بات ہے کہ اب سے پچھتر چھہتر سال پہلے کی فراہم کردہ یہ رہنمائی امت مسلمہ کے لیے آج بھی وہی اہمیت اور معنویت رکھتی ہے جو ان مضامین کی تحریر کے زمانے میں تھی۔ بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ امت مسلمہ آج اپنے دور زوال کے جس مرحلے پر پہنچ چکی ہے اس سے ابھرنے کے لیے یہ مضامین آج زیادہ کارگر اکسیر کی حیثیت رکھتے ہیں، اور اُن کی قوت تاثیر پہلے سے کہیں زیادہ باثمر محسوس ہوتی ہے۔

3) پون صدی گزر جانے کی وجہ سے عالمی نقشہ میں اور خاص طور پر عالم اسلام میں جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ان کے پیش نظر کتاب میں ضروری وضاحتی حواشی کا اضافہ کردیا گیا ہے۔

4) بعض حواشی، متن کتاب میں مذکورہ مقامات وشخصیات کے تعارف اور بعض دیگر امور کی وضاحت کے طور پر لکھے گئے ہیں۔

آخر میں راقم الحروف اپنے اس تاثر کا اظہار ایک دفعہ پھر کرنا چاہتا ہے کہ سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے اب سے پون صدی پیش تر امت مسلمہ کے امراض کی نشاندہی کر کے اس کے لیے جو نسخۂ شفا تجویز کیا تھا، وہ آج بھی واحد نسخۂ شفا ہے جس سے امت مسلمہ اپنے جملہ عوارض کا شافی علاج کرسکتی ہے۔ سید مودودیؒ کی اس حکیمانہ بصیرت واجتہاد کا ایک ثمر 1941ء میں ''جماعت اسلامی'' کا قیام تھا جو اس نسخۂ شفا کو ہاتھ میں لے کر امت مسلمہ کی حیات نو کے لیے کھڑی ہوئی تھی۔ سید مودودیؒ کی فکری اور عملی رہنمائی میں کام کرنے والی اس جماعت نے احیائے اسلام اور اقامت دین کے لیے جو انقلاب انگیز جدوجہد کی وہ ملت اسلامیہ کی تاریخ کا ایک روشن باب

ہے۔ یہ اسی تحریک کا فکری فیضان ہے کہ دنیا بھر میں اسلامی تحریکیں غلبۂ اسلام کے لیے سرفروشانہ جدوجہد کر رہی ہیں، اور کوئی خطۂ زمین ایسا نہیں ہے جہاں کے رہنے والے سید مودودیؒ کے لٹریچر سے استفادہ اور کسبِ نور نہ کر رہے ہوں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

الراقم العاجز

حفیظ الرحمٰن احسنؔ

23 فروری 2002ء/10 ذی الحجہ 1422ھ

QuranUrdu.com

حصہ اول

# اسلام پر کفر کی یورش کے اسباب

بنگال کے مسیحی مبلغین نے اپنی ایک کانفرنس میں مسلمانانِ بنگال کو مسیحیت کی دعوت دینے کے متعلق جو تجویزیں پاس کی ہیں ان کا ذکر ان کالموں میں ہو چکا ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ قارئین کرام میں سے کتنے ان سطور کو پڑھ کر کچھ اچنبھے اور کچھ رنج کی سی کیفیت ظاہر کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے ہوں گے اور کتنے ان سے سبق لے کر آمادۂ عمل ہوئے ہوں گے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اب ہماری شور پسندی ایک مرض کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ اب ہم اس بات کے عادی ہو گئے ہیں کہ جب کبھی مخالفین کے کسی بڑے حملے یا خاص منصوبے کی ہم تک اطلاع پہنچتی ہے تو دفعتاً چونک پڑتے ہیں اور ایک بدحواسی و اضطراب کے عالم میں کچھ دفاع کی غیر مرتب سی تدبیریں اختیار کرنے لگتے ہیں اور جب خطرہ ذرا کم ہو جاتا ہے تو مطمئن ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ عیسائی مشنریوں اور آریہ پرچارکوں کو اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہوئے پچاس سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔[1] اس طویل مدت میں وہ نہایت خاموشی کے ساتھ اپنا کام کرتے رہے ہیں اور کوئی سال ایسا نہیں گزرا جس میں انہوں نے اپنے ہم مذہبوں کی تعداد میں اضافہ نہ کیا ہو لیکن ہم نے ہمیشہ ان کی

[1] یہ 1925ء کی بات ہے۔ اب اس پر مزید 75 سال گزر چکے ہیں۔ برعظیم پاک و ہند میں عیسائی مشنریوں کی تبلیغی سرگرمیوں اور تبدیل مذہب کے لیے ان کے تحریصی ہتھکنڈوں میں کہیں زیادہ اضافہ ہو چکا ہے۔ اسلام دشمن عالمی طاقتیں ان کی ہر نوع کی بے پناہ اعانت و امداد کر رہی ہیں۔ اسی طرح بھارت میں آریہ پرچار سے کہیں زیادہ فعال اور جارحانہ سرگرمیاں رکھنے والی متعصبانہ تنظیمیں قائم ہو چکی ہیں جو رفتہ رفتہ مضبوط سیاسی گروپوں کی صورت اختیار کر چکی ہیں۔ ان کے زیر اثر دنیا کی سب سے بڑی نام نہاد سیکولر جمہوریت بھارت عملاً ایک ہندو ریاست میں تبدیل ہو چکی ہے، جس کے جارحانہ عزائم میں روز بروز شدت آتی جا رہی ہے۔ دریں حالات بھارت میں دوسرے تمام مذاہب کے پیروکاروں کے لیے زندگی کا دائرہ تنگ سے تنگ تر ہوتا جا رہا ہے اور ہندو تعصب اور جارحیت کا سب سے بڑا نشانہ آج بھی بھارت کے مسلمان ہی ہیں۔

خاموشی کو اپنی طرح بے عملی کا ہم معنی سمجھا اور کبھی اپنے بچاؤ کی تدبیر نہ کی۔ ہماری مثال بالکل مارِب[1] کے ان دیہاتیوں کی سی ہے جو اپنے آباؤ اجداد کے بنائے ہوئے بند کو دیوتاؤں کا بنایا ہوا بند سمجھتے تھے اور اس میں کسی کمزوری یا بوسیدگی کے قائل نہیں تھے۔ جب چوہوں نے اس میں آہستہ آہستہ سوراخ کرنا شروع کیا تو وہ سمجھے کہ یہ معجزے سے بنایا ہوا بند ان چوہوں کے بس کا نہیں ہے مگر وہی چوہے برسوں کی لگاتار کوشش کے بعد اس حد تک کامیاب ہو گئے کہ اس میں سے پانی رسنے لگا۔ آخر کچھ پانی کے زور نے اثر دکھایا اور کچھ دیواروں کی بوسیدگی رنگ لائی اور دفعتاً بند ٹوٹ کر ایسا سیلاب آیا کہ دور دور تک کی بستیاں تباہ ہو گئیں۔ یہی حال ہمارا بھی ہے۔ ہمیں اس بات پر اعتماد ہے اور ہونا چاہیے کہ اسلام کا بند بہت مضبوط ہے جسے کوئی توڑ نہیں سکتا لیکن ہم نے خود اپنی غفلت سے اسے بوسیدہ کر لیا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ بے حقیقت چوہے جن کے دانت فی الحقیقت چنے سے بھی زیادہ کمزور ہیں اس میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں اور کامیاب ہو رہے ہیں۔

## دوسروں کی کامیابی ہماری نااہلی کا ثمر ہے

ہمیں سوچنا چاہیے کہ آخر وہ کیا چیز ہے جس کی بنا پر آریہ اور عیسائیوں کو ہمارے مقابلے میں آنے کی جرأت ہوتی ہے۔ ان کے مذہب کو دیکھیے تو وہ ایسے مُزَخرفات[2] کا مجموعہ ہے کہ وہ اسے ہمارے سامنے پیش کرنا تو درکنار خود بھی کبھی سنجیدگی کے عالم میں غور کرتے ہوں گے تو شرماتے

---

[1] متن میں ''عرم'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو قرآن میں وارد ترکیب سَیلَ العَرِم سے ماخوذ ہے اس سے مراد شہر مارب ہے جو قدیم ملک سبا کا دارالحکومت تھا جس کے قریب برساتی نالوں پر بند باندھ کر ایک بہت بڑا تالاب بنا لیا گیا تھا۔ اسی پر پورے ملک کی زراعت کا انحصار تھا۔ چوہوں کے سوراخ کر دینے کی وجہ سے اس تالاب کا عظیم الشان بند ٹوٹ گیا اور سارے ملک کا نظام آبپاشی تباہ و برباد ہو کر رہ گیا۔ اس کے نتیجے میں ملک میں ایسی معاشی بدحالی اور بربادی کا دور دورہ ہوا کہ پوری قوم تتر بتر ہو کر رہ گئی۔ قوم سبا کی یہ بدحالی و پراگندگی عرب میں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گئی۔ قرآن کے مطابق اس قوم کی یہ پراگندگی و بربادی دراصل ان کی ناشکری کی سزا اور ہدایت الٰہی سے انحراف و بغاوت پر ایک خدائی عذاب تھا جس کے بعد اس قوم کا نام و نشان ہی دنیا سے مٹ گیا۔ بس افسانوں میں اس کا نام باقی رہ گیا۔ دیکھیے سورۂ سبا: آیات 15 تا 20

[2] دل فریب و آراستہ لیکن لایعنی اور بے اصل باتیں۔ جھوٹ کا پلندہ

ہوں گے۔ پھر آخر کوئی بات تو ہے کہ وہ اپنی اس متاع بے حقیقت کو لے کر بازار میں آتے ہیں اور کامیاب و بامراد جاتے ہیں۔ اس سوال کی حقیقت پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان کی یہ کامیابی کچھ ان کی قابلیت سے نہیں بلکہ ہماری نا قابلیت کی رہن منت ہے۔ ان کی دکان کا فروغ کچھ اس لیے نہیں ہے کہ ان کی متاع اچھی ہے اور بازار میں اس کی مانگ ہے بلکہ وہ صرف اس لیے بک رہی ہے کہ ہم نے اپنی متاع کی قدر کھودی ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ کوئی شخص اگر ایک دفعہ نعمت اسلام سے بہرہ ور ہوجائے تو دنیا کی کوئی قوت اسے دین حق سے پھیرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی لیکن جب وہ نعمت پیش ہی نہ کی جائے، جب عام مسلمانوں کا اسلام صرف روایتی اور موروثی اسلام رہ جائے، جب انہیں جہالت کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے اور وہ اسلام کی خوبیوں سے واقف ہی نہ کیے جائیں تو اس کی مضبوطی اور استحکام پر اعتماد اور اس کی ناقابل تسخیر ہونے پر بھروسہ کیوں کر کیا جاسکتا ہے، اور یہ بھروسہ اپنے آپ کو صحیح کیسے ثابت کرسکتا ہے!

## خطرے کے حقیقی اسباب اور ہمارے دینی مصائب کے مستقل سرچشمے

پس اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ غیر مسلم مبلغین کو مسلمانوں میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے اور انہیں مرتد بنانے کی جس بنا پر جرأت ہوتی ہے وہ خود ہماری اپنی کمزوریاں ہیں۔ جب تک ہم میں یہ کمزوریاں باقی رہیں گی یہ خطرہ بھی باقی رہے گا اور ہمارے بدقسمت کان ہمیشہ یہ سنتے رہیں گے کہ آج فلاں جگہ آریوں یا عیسائیوں کا حملہ ہوا اور آج فلاں جگہ مسلم قوم ارتداد کے خطرے میں مبتلا ہے۔ وقت کے وقت ان خطرات کے دفاع کی سطحی تدبیریں اختیار کر لینے اور پھر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ رہنے سے یہ مستقل روگ کبھی دور نہیں ہوسکتا، بلکہ اس سے تو یہ اندیشہ ہے کہ کچھ دن بعد ہم ایسے خطروں کی آوازیں سننے کے عادی ہوجائیں گے اور اس طرف توجہ بھی کرنی چھوڑ دیں گے۔ اس کا اگر کوئی علاج ہے تو صرف یہی کہ ہم اپنی کمزوریوں کا تفحُّص کریں اور ان کو دور کرنے کے لیے مستقل اور عملی تدبیریں اختیار کریں، تاکہ ہم میں سے وہ چیز ہی دور ہوجائے جو دشمنوں کو اپنے اوپر حملہ آور ہونے کی دعوت دیتی ہے۔

## 1- جہالت

ایک یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ جاہل ہے اور شریعت اسلام سے اس کی ناواقفیت اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ وہ کلمہ گوئی کی حدود سے بھی خارج ہو گیا ہے، بلکہ عرف عام میں یوں کہنا چاہیے کہ نام کا مسلمان بھی نہیں رہا۔ اُسے ہر مذہب کے لوگ آسانی کے ساتھ اسلام سے پھیر سکتے ہیں۔

## 2- افلاس

دوسرے یہ کہ مسلمان حد سے زیادہ مفلس ہیں اور ان کا افلاس جہالت سے مل کر ان کے اندر سرمایہ دار مبلغین کے دام میں گرفتار ہونے کی استعداد پیدا کر دیتا ہے۔

## 3- مشنری مدارس

تیسرے یہ کہ مسلمانوں کے لڑکے اپنے قومی مدارس[1] نہ ہونے کی باعث مشنری مدارس میں داخل کر دیے جاتے ہیں اور وہاں ان کی لوح سادہ پر بچپن ہی سے مسیحیت کا نقش بیٹھ جاتا ہے جو آگے چل کر بعض اوقات خفیہ اور بعض اوقات علانیہ ارتداد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

یہ ہمارے دینی مصائب کے مستقل سرچشمے ہیں۔ ان کی پیدائش کے اسباب اس قدر کثیر التعداد ہیں کہ نہ تو ان کا پوری طرح اِحصاء کیا جا سکتا ہے اور نہ اس جگہ ان پر کوئی مفصل بحث کی جا سکتی ہے۔ تاہم اگر ان پر مجموعی حیثیت سے ایک نگاہ ڈالی جائے تو بر بنائے استخراج ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان میں چند اسباب اصل و بنیاد کا حکم رکھتے ہیں:

---

[1] سن 1925ء میں تو قومی مدارس نہیں تھے، یا برائے نام تھے لیکن گزشتہ 75 برسوں میں تو بے شمار ''قومی مدارس'' قائم ہوئے مگر اس کے باوجود قوم کا اصل مرض جوں کا توں قائم رہا بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوا۔ مسلمانوں پر مغربی تہذیب اور غیر ملکی آقاؤں کی ایسی مرعوبیت طاری ہوئی کہ مسلمان اپنے قومی اداروں کو چھوڑ کر مسیحی اور مشنری مدارس میں اپنے بچوں کو تعلیم کے لیے بھیجتے رہے اور گزشتہ برسوں میں تو یہ لے یہاں تک بڑھی ہے کہ ملک میں نام نہاد ''انگریزی ذریعۂ تعلیم'' والے مدارس خودرو پودوں کی طرح اُگ آئے ہیں، جن میں گلی کوچوں کے معمولی فیس والے اسکول اور بہتر شہری علاقوں میں بڑی بڑی فیسوں والے اسکول بھی شامل ہیں، جن میں بچوں کے سالانہ تعلیمی اخراجات کا اندازہ لاکھوں تک پہنچتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ برعظیم ہند کے مسلمانوں کے اندر انگریزی زبان و تہذیب کی برتری کا جو بیج ایک صدی پہلے بویا گیا تھا اس کے اصل برگ و بار اب پیدا ہوئے ہیں! فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ

مثلاً مسلمانوں کی محکومی، علماء کی غفلت، مسلمانوں کی معاشرت میں غیر اسلامی طریقوں کا رواج، مسلمانوں کے قوائے ملی کا غیر معمولی انتشار اور مسلمانوں میں سرمایہ کی قوت کا عدم احساس، جو تبذیر اور پھر افلاس کی طرف مُنجر (منتہی) ہوتا ہے۔ وَهَلُمَّ جَرًّا

## ہماری سادگی اور کوتاہ اندیشی اور مخالفین کی عیاری اور تدبر

ان کمزوریوں اور ان کے اسباب میں سے ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے کہ جسے ہم دوسروں کی طرف منسوب کر سکتے ہوں یا جس کا منبع ہمارے مخالفین کے اندر موجود ہو۔ پھر اگر ہم ان کے مقابلے پر پروپیگنڈا کریں یا مجالسِ مذاکرہ منعقد کریں یا کبھی ارتدادزدہ علاقوں کا چکر لگانے کے لیے اپنے مبلغین بھیج دیا کریں، جیسا کہ اب تک ہمارا طریقہ کار رہا ہے تو یقیناً یہ مرض کا اصل علاج نہیں ہوسکتا، اور نہ اس سے یہ آئے دن کے روگ کسی طرح دور ہو سکتے ہیں۔ اگر ہمارے مخالفین کا طریقہ کار بھی یہی ہوتا تو شاید ان کے مقابلے میں ان طریقوں سے ہم کامیاب ہو سکتے۔ لیکن انہوں نے تو پروپیگنڈا اور وعظ و تلقین کو صرف ہمیں مشغول رکھنے کے لیے حیلہ بنا رکھا ہے ورنہ دراصل ان کے طریقہ کار بالکل ہی مختلف ہیں۔ وہ ہماری سیاسی و اقتصادی غلامی، ہمارے علماء کی غفلت، ہماری قوتوں کے انتشار، ہماری اپنے مذہب سے عام ناواقفیت اور ہماری تمام دوسری کمزوریوں سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انہوں نے ہزاروں شفا خانے قائم کر رکھے ہیں، جہاں خدمت بنی نوع انسان کے پردے میں وہ نہایت ہوشیاری کے ساتھ جاہل مریضوں کو اپنے مذہب کی تلقین کرتے ہیں۔ انہوں نے ہزاروں یتیم خانے کھول رکھے ہیں جہاں بے شمار یتیم اور لاوارث بچوں کو مسیحیت کی گھٹی پلائی جاتی ہے۔ انہوں نے اپنے انتظامات ایسے مکمل کر رکھے ہیں کہ جہاں کہیں قحط پڑتا ہے یا اور کوئی آسمانی بلا نازل ہوتی ہے تو تمام بے خانماں لوگوں کو پناہ دیتے ہیں اور روٹی کپڑے کے احسان کی صورت میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں۔ انہوں نے ہندوستان کے طول و عرض میں ہزار ہا مدرسے (اسکول) اور کالج قائم کر رکھے ہیں جہاں نہایت آہستگی اور تدریج کے ساتھ بچوں کو ارتداد کی طرف مائل کیا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے اندر اس قدر

صبر و استقامت، اس قدر ایثار و خدمت اور اس قدر سچا مذہبی شغف پیدا کیا ہے کہ وہ برسوں ایک ایک مقام پر ترک و تجرُّد کے عالم میں بسر کر دیتے ہیں۔ فقیروں اور یوگیوں کی سی زندگی اختیار کرتے ہیں اور نہایت خاموشی کے ساتھ لوگوں میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ان میں اس قدر عقل و تدبر موجود ہے کہ اگر خالصتاً نہیں تو کم از کم تصنع کے ساتھ وہ لوگوں کے سامنے ایسی سادہ اور ایسی پرہیزگارانہ اور ایسی بہتر اخلاقی زندگی کا نمونہ پیش کرتے ہیں کہ ان کی زبان و قلم سے زیادہ خود ان کی زندگی ہی ایک مستقل ذریعۂ تبلیغ بن جاتی ہے اور پھر ان سب باتوں کے ساتھ ہمارے مخالفین کے ایک گروہ میں یہ عیاری بھی بدرجہ اتم موجود ہے کہ وہ ہمارے موجودہ افلاس سے فائدہ اٹھا کر ہم پر اقتصادی دباؤ ڈالتے ہیں اور روپے کی قوت سے اپنے مذہب کی اشاعت میں کامیابی حاصل کرتے ہیں۔

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ طریقے کس قدر عمیق اور کارگر ہیں۔ ان کی مثال بالکل ایک سیلاب کی سی ہے جو ایک ہی وقت میں شور بھی مچاتا ہے، عمارتوں کو تہ و بالا بھی کرتا ہے اور سیل بن کر بڑے بڑے ایوانوں کی بنیادیں بھی ڈھا دیتا ہے۔ اس کے مقابلے میں نہ معمولی تختہ بندی کام دے سکتی ہے اور نہ محض لیپا پوتی۔ اس کے لیے تو ضرورت ہے کہ ہم بھی اتنے ہی عمیق اور کارگر ذرائع اختیار کریں جتنے ہمارے مخالفین نے اختیار رکھے ہیں، ورنہ مدافعت میں ہمارا کامیاب ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے۔

# تدابیر دفاع

ہم ان خطرات اور اندرونی کمزوریوں پر بحث کر چکے ہیں جن سے خاکم بدہن ہندوستان میں اگر اسلام کے فنا ہو جانے کا نہیں تو کم از کم غریب وستم دیدہ ہو جانے کا قوی اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔ ہم نے اختصار کے ساتھ قارئین کے سامنے ان عمیق اور نہایت کارگر تدابیر کا بھی ایک خاکہ کھینچ دیا ہے جو اسلام کے مخالف اس کی قوت کو توڑ دینے کے لیے استعمال کر رہے ہیں اور یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ جب تک ہم بھی اتنی ہی عمیق اور کارگر تدابیر اختیار نہیں کریں گے اس وقت تک ہمیں اسلام کی حفاظت اور اشاعت میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اب ہم اس مسئلے پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں کہ دفاع کے لیے ہمیں کیا کیا تدابیر اختیار کرنی چاہییں اور ہمارا طریق کار کیا ہونا چاہیے۔

## 1۔ تعلیماتِ اسلامی کی عام اشاعت اور مذہبی شعور کی بیداری

ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ ہماری سب سے بڑی کمزوری جہالت ہے۔ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ اپنے مذہب کی تعلیمات، اس کے عقائد اور شعائر سے یکسر جاہل ہے اور یہی چیز ہے جو اعدا کو اسے مرتد بنانے میں سب سے زیادہ مدد دیتی ہے۔ پس اس لحاظ سے ہماری پہلی ضرورت یہ ہے کہ ہم ہندوستان کے تمام جاہل مسلمانوں میں تعلیماتِ اسلامی کی اشاعت کریں۔ اسلام کے سادہ عقائد ان کے ذہن نشین کر دیں اور ان کے اندر اس حد تک مذہبی روح پیدا کر دیں کہ وہ صوم وصلوٰۃ کے پابند ہو جائیں۔ اس کے لیے ہم کو عام طور پر دیہات وقصبات میں ایک ایک شخص ایسا مقرر کرنا چاہیے جو عوام کو ان کی فرصت کے اوقات میں نہایت تدریج کے ساتھ مذہبی تعلیم دے

سکے اور خود انہی کی زبان میں انہیں اسلام کی خوبیوں سے آگاہ کرتا رہے۔ اگرچہ اس سلسلے میں غیر مسلموں کو بھی اسلام کی طرف دعوت دی جاسکتی ہے مگر اس وقت ہماری تمام تر توجہ کافروں کو مسلمان بنانے کے بجائے خود مسلمانوں کو مسلمان بنانے کی طرف مبذول رہنی چاہیے۔ ان کی سوئی ہوئی مذہبیت کو جگا دینے کے بعد جب ہم ایک دفعہ اپنے اندرونی استحکامات کو تمام بیرونی حملوں کے خطروں سے محفوظ کرلیں گے تو پھر ہمیں دوسروں کی طرف رخ کرنے کا زیادہ موقع مل سکے گا۔

## 2۔ مکاتب کا قیام

اس کے ساتھ ہی دوسری چیز یہ ہے کہ مسلمان بچوں کو ابتدائی دینی تعلیم دینے کے لیے گاؤں گاؤں میں مکاتب قائم کردیے جائیں۔ اس کے لیے بھی کسی لمبے چوڑے نظام اور کسی خاص درسی نصاب کی ضرورت نہیں۔ انہیں مسلمان بنانے کے لیے ابتداً صرف اتنا کافی ہے کہ نہایت سادگی کے ساتھ اسلامی عقائد ان کے ذہن نشین کردیے جائیں۔ وضو، استنجا، نماز، روزہ وغیرہ کے متعلق معمولی مسائل یاد کرادیے جائیں اور قرآن مجید پڑھا دیا جائے۔ قرآن مجید کو محض طوطے کی طرح پڑھ لینا ہی انسان پر اتنا اثر کرتا ہے کہ اسلام کی عظمت دل میں بیٹھ جاتی ہے اور پھر بمشکل ہی کوئی چیز اسے زائل کرسکتی ہے۔ پس اگر ہم اتنی استطاعت نہیں رکھتے کہ اپنے بچوں کو کوئی کارآمد تعلیم دے سکیں تو کم از کم ان کی لوح سادہ پر قرآن کا گہرا نقش تو ضرور بٹھا دینا چاہیے تاکہ ان پر کفر کا جادو نہ چل سکے۔

یہ وہ کم سے کم کام ہے جسے انجام دینے میں ہمیں ذرہ برابر بھی توقف نہ کرنا چاہیے۔ اس کے لیے سفری مبلغین کارآمد نہیں ہوسکتے بلکہ ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو مستقل طور پر ایک مقام پر رہ پڑیں اور آریہ مشنریوں کی طرح دیہاتی زندگی کی تکلیفیں برداشت کرکے پورے عزم و استقلال کے ساتھ دین وملت کی خدمات انجام دیں۔ ان میں اتنی استقامت ہونی چاہیے کہ کامیابی کے ساتھ لوگوں کی جاہلانہ فطرت کا مقابلہ کرسکیں۔ اول اول کی ناکامیوں سے ہمت نہ ہاریں۔ مُشرکانہ عقائد اور رسوم و بدعات کو دور کرنے میں اگر کئی کئی برس بھی لگ جائیں تو بددل نہ ہوں اور جلد بازی کرکے جہالت سے جنگ نہ کریں۔ بلکہ آہستہ آہستہ وعظ و تلقین اور تعلیم و تبلیغ کے ذریعے طبیعتوں کو

اصلاح کی طرف مائل کریں۔ اس کے ساتھ ہی ان میں قربانی کا اتنا جذبہ بھی ہونا چاہیے کہ وہ اس مفلس قوم سے اپنی دینی خدمات کا کم سے کم معاوضہ لے سکیں جو عیسائی مشنریوں کی طرح کروڑوں روپیہ پانی کی طرح نہیں بہا سکتی، اور اُن کے اخلاق میں اتنی پاکیزگی بھی ہونی ضروری ہے کہ سادہ لوح دیہاتیوں کو اپنے اعمال سے برگشتہ کر دینے کے بجائے اُنہیں اپنے حسنِ خلق کا گرویدہ بنا لیں اور خود اپنے اندر اسلامی زندگی کا ایسا نمونہ پیش کریں کہ لوگ ان سے اسلامی تعلیمات کا عملی سبق حاصل کر سکیں۔

## 3۔ طبعی حوادثِ کے اثرات سے بچانے کے لیے محتاج خانوں اور یتیم خانوں کی مستقل تنظیم

اس کے بعد دوسرا درجہ یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو اس قسم کے طبعی حوادث کے اثرات سے بچانے کے لیے اَقطاعی نظام قائم کریں جو اُنہیں عیسائی مشنریوں اور آریہ پرچارکوں کے رحم پر چھوڑ دیتے ہیں۔ مثلاً قحطوں اور سیلابوں کے موقعہ پر ہزار ہا مرد، عورت اور بچے بے خان و ماں ہو جاتے ہیں، جنہیں کوئی پناہ دینے والا نہیں ہوتا اور مجبوراً اُنہیں اپنی متاع دین و ایمان کے عوض سرمایہ دار مشنریوں سے پیٹ بھر روٹی اور تن ڈھانکنے کو کپڑا لینا پڑتا ہے۔ اسی طرح رات دن ہزاروں مسلمان بچے جن کا کوئی والی وارث نہیں ہوتا محض اس وجہ سے آوارہ پھرتے ہیں کہ اُن کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہے اور اس طرح اکثر اُنہیں عیسائی یا آریہ یتیم خانے اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں۔ یہ ارتداد کے دائمی شکار ہیں جنہیں محض مسلمانوں کی غفلت اسلام کی گود سے چھین کر کفر کی آغوش میں ڈال دیتی ہے۔ انہیں اِس خطرہ سے بچانے کے لیے محتاج خانوں کی مستقل تنظیم ضروری ہے، اور اس کے لیے یہی لازم نہیں کہ کوئی بہت بڑے پیمانے پر نظام قائم کیا جائے بلکہ ایسا ممکن نہ ہو تو صرف اتنا انتظام کافی ہے کہ اُنہیں مشنریوں کے ہاتھوں میں پڑنے سے بچایا جائے۔ یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے کہ اُنہیں کام دینے اور دنیا میں کچھ کر کے کھانے کے قابل

بنانے کی کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔ فی الحال ہمارا نقطۂ نظر صرف اُن کے اسلام کی حفاظت ہونا چاہیے اور یہ اسی طرح ہوسکتی ہے کہ اُنہیں پناہ دے کر ایسے مسلمان خاندانوں کی خدمت میں دے دیا جائے جو اُنہیں غلاموں کی طرح نہیں بلکہ قابلِ رحم خدمت گاروں کی طرح پرورش کرسکیں۔ یا اگر کچھ ہنرمند ہوں تو کسی کار سے لگا دیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ یتیموں اور محتاجوں کا یہ حشر کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں ہے، لیکن اگر ہماری قوم میں اتنا احساس نہیں ہے کہ وہ اپنے نونہالوں کی پرورش کا کوئی بہتر انتظام کرنے کے اسباب بہم پہنچائے تو ہمیں حسبِ ارشادِ[1] نبویؐ دو بلاؤں میں سے ایک چھوٹی بلا کو قبول کرنا چاہیے، اور یقیناً ایک مسلمان بچے کا مسلمان رہ کر خدمت گار بن جانا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ وہ کفر کا طوق گلے میں ڈال کر بیرسٹر بن جائے۔[2]

## 4۔ مشنری تعلیمی اداروں کا مقاطعہ

ایک اور ضروری تدبیر یہ ہے کہ مسلمان لڑکوں کو مشن اسکولوں اور کالجوں سے اٹھانے کی ایک باقاعدہ تحریک شروع کی جائے۔ ان مدارس کا مقصد علم وفن کی روشنی پھیلانا نہیں ہے بلکہ بچوں کو ان کے مذہب سے پھیر کر سینٹ پال کے خودساختہ مذہب کی دعوت دینا ہے، اور عام طور پر اُن کی تعلیم کا لازمی اثر یہ ہوتا ہے کہ اگر طلبہ علانیہ مرتد نہیں ہوتے تو کم از کم اپنے مذہب سے برگشتہ ضرور ہوجاتے ہیں۔ ان کے دل میں اسلام کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی۔ اسلامی عقائد سے صریحاً انحراف پیدا ہوجاتا ہے۔ عبادات کو کھیل سمجھنے لگتے ہیں۔ اسلامی شعائر کی کھلی کھلی توہین کرتے ہیں اور صرف خاندانی قیود اور رسمی مزاحمت کے باعث اسلام کے ساتھ اُن کا رشتہ برائے نام رہ جاتا ہے۔ یہ ضرور

---

[1] حدیث مذکور سے یہ شرعی قاعدہ اخذ کیا گیا ہے کہ جب دو ناجائز (یا ناپسندیدہ) کاموں میں سے کسی ایک کا اختیار کرنا ناگزیر ہوجائے تو ان میں سے وہ اختیار کیا جائے جو کم تر درجے کا ناجائز (یا ناپسندیدہ) کام ہو۔ اس قاعدے کو اختیارِ اَھوَنُ البَلِیَّتَین کا نام دیا گیا ہے۔

[2] سن 1925ء کے مقابلے میں عوام الناس کی عمومی معاشی حالت تو اب بہت بہتر ہے لیکن مجموعی طور پر امیر اور غریب طبقات کے درمیان معاشی عدم توازن کہیں زیادہ بڑھ گیا ہے۔ اس تشویشناک صورت حال کے اندر ملک میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری ایک اور بہت بڑا چیلنج ہے اور ایک طرح لاینحل مسئلہ بن گئی ہے۔ علاوہ ازیں کچھ مجبوراً اور کچھ رواجاً گداگری کو بے تحاشا فروغ حاصل ہو رہا ہے جو قومی زندگی کے لیے ایک ناسور کی حیثیت رکھتا ہے۔ حکومتی اور قومی سطح پر اس کے تدارک کے لیے وسیع منصوبہ بنانے اور اس پر فوری عمل درآمد کی ضرورت ہے۔

ہے کہ بقول مسٹر آرنلڈ[1] مشنری مدارس کی تعلیم نے بعض اوقات بالکل اُلٹا اثر بھی کیا ہے اور بعض طلبہ مرتد ہونے کے بجائے مسیحیت کی کمزوریوں سے واقف ہو کر اس کے زبردست حریف بن گئے ہیں، مگر ایسی سعید روحیں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ عام طور تو مشنری مدارس کے طلبہ کی وہی حالت دیکھی جاتی ہے جو ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اور یقیناً اُنہیں اس بے دینی کے خطرے سے نکالنا ایک عظیم خدمت دینی ہے۔

اس تحریک کے خلاف یہ عُذر پیش کیا جاتا ہے کہ پہلے ہی مسلمانوں میں تعلیم کی کمی ہے اور اس کے لیے کوئی معقول انتظام نہیں ہے، اس پر اگر مشنری مدارس کا بھی بائیکاٹ کر دیا جائے تو پھر ہمارے بچے آخر کہاں پڑھیں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ اول تو مشنری مدارس کی کمی کو سرکاری اور اسلامی مدارس مل کر پورا کر سکتے ہیں، جن کی تعلیم اُن سے بدرجہا زیادہ قابل ترجیح ہوتی ہے، لیکن اگر وہاں بھی اس کی تلافی ممکن نہ ہو تو ایک سچے مسلمان کے نقطۂ نظر سے مذہب کو اعلیٰ تعلیم پر کسی طرح قربان نہیں کیا سکتا۔ اگر مشنری مدارس کے سوا مسلمانوں کو اپنی تعلیمی ضروریات پوری کرنے کے لیے کوئی ٹھکانہ میسر نہ آئے تو اسے قبول کرنے سے اس کو ٹھکرا دینا زیادہ بہتر ہے؛ کیونکہ ہمارے بچوں کا اسلام سے پھر جانا اُن کے جاہل رہ جانے سے زیادہ بڑی مصیبت ہے۔ پس ضرورت ہے کہ مشنری تعلیم گاہوں کے خلاف پوری سرگرمی کے ساتھ پروپیگنڈا کیا جائے اور صرف پروپیگنڈا ہی نہیں بلکہ عملاً ہر مسلمان کو اِس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنے بچوں کو اِن مدارس سے اُٹھا لے۔

---

[1] پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو آرنلڈ، مولف: The Preachings of Islam۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مشہور استاد اور فاضل مصنف۔ اپنی علمی حیثیت کے علاوہ ان کی شہرت کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ علامہ اقبال نے ان سے بطور شاگرد استفادہ کیا۔ پروفیسر آرنلڈ کے انگلستان واپس چلے جانے کے بعد علامہ اقبال نے ان کی یاد میں اپنی مشہور نظر ''نالۂ فراق (آرنلڈ کی یاد میں)'' لکھی جو بانگ درا'' کی زینت ہے پروفیسر آرنلڈ کی محوّلہ بالا کتاب جو علمی حلقوں میں معروف ہے، اس کا پہلا ایڈیشن 1896ء اور دوسرا ایڈیشن 1913ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کا ایک نہایت عمدہ اردو ترجمہ استادِ محترم ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ مرحوم نے ''دعوتِ اسلام'' کے نام سے کیا تھا جو 1972ء میں شائع ہوا۔ دونوں کتابیں عام طور پر دستیاب ہیں۔

## 5۔اقتصادی غلامی سے نجات

آخری اور موجودہ حالات میں سب سے زیادہ ضروری تدبیر یہ ہے کہ مسلمانوں کو اُن کی موجودہ اقتصادی غلامی سے نکالا جائے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی اقتصادی فلاح کا سب سے بڑا ذریعہ حکومت تھی۔ اُن میں تجارت اور سرمایہ داری کا ذوق کبھی نہ تھا، صرف ایک صنعت وحرفت کا قدرتی ذوق موجود تھا، سو اِس کے فوائد کا انحصار بھی حکومت اور مُتوسلینِ حکومت کی قدردانیوں پر تھا۔ جب یہ حکومت چلی گئی تو ان کی خوش حالی ودولت مندی کا سرچشمہ بھی سوکھ گیا، اور اب یہ حالت ہے کہ جتنے صنعت وزراعت پیشہ مسلمان ہیں سب کے سب سرمایہ دار ہندوؤں کے غلام ہیں، اور جنہیں اللہ نے آبائی ثروت عطا کی ہے وہ اپنے بگڑے ہوئے نظام تمدن اور اپنی غلط مُسرِفانہ عادات کے باعث روز بروز اُسے قرض داری کی نذر کرتے چلے جارہے ہیں۔ اس اقتصادی غلامی کا یہ اثر ہے کہ کاروباری زندگی میں ہندوؤں کی قوت مسلمانوں کے لیے مہلک حد تک بڑھ گئی ہے اور وہ یہاں تک اُن پر چھا گئے ہیں کہ جس وقت چاہیں ایکا کر کے مسلمانوں کو تباہ کر دیں۔ شہروں اور بڑے بڑے قصبات میں تو یہ صرف اقتصادی غلامی ہی تک محدود ہے مگر دور دراز کے دیہات میں یہی چیز ارتداد کا سب سے زیادہ کارگر ہتھیار بن گئی ہے اور آریہ مبلغین پوری مستعدی کے ساتھ جاہل مسلمان دیہاتیوں کو مرتد بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پس حفاظت اسلام کے لیے اس بیماری کا علاج بھی نہایت ضروری ہے، بلکہ شاید موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بھی غلط نہ ہو کہ اِس وقت جو چیز ہندوستان میں اسلام کے وجود کو دھمکی دے رہی ہے وہ یہی اقتصادی خطرہ ہے۔

### یا چُناں کُن یا چُنیں!

یہ ایک مستقل بحث ہے کہ مسلمانوں کو اس خطرے سے بچانے کے لیے کیا تدابیر اختیار کرنی چاہییں اور اس پر یہاں بحث کرنے کی گنجائش نہیں۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ اس عظیم الشان کام کو انجام دینے کے لیے ہماری قوتوں کا موجودہ انتشار اور ہماری قومی جماعتوں کا موجودہ افتراق کسی حیثیت بھی موزوں نہیں ہے۔ ہم ابھی تک ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد قائم کرنے میں مشغول

ہیں اور یہاں پوری قوم کی متحدہ قوت درکار ہے۔ ہمیں ابھی تک ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی عادت پڑی ہوئی ہے۔ اور یہاں برسوں کی لگاتار اور انتھک محنتوں کی ضرورت ہے۔ ہم کو ابھی تک سطحی شور و ہنگامہ میں مزا آتا ہے اور یہاں دراصل مقصد کا گہرا شعور اور اُس کے لیے حقیقی اخلاص و ایثار مطلوب ہے۔ ہمیں ابھی تک صرف آگ کی طرح بھڑک کر جلا دینا آتا ہے، مگر یہاں اس کی حاجت نہیں ہے، اب تو ہمیں ایسی ہلکی سی حرارت کی ضرورت ہے جو برسوں تک اندر ہی اندر پکا کر لعل و گہر تیار کر دیتی ہے۔ پس تمام تدبیریں اور تمام تجویزیں اُس وقت تک بے کار ہیں جب تک ہم کو کام کرنے کا صحیح ڈھنگ نہ آجائے۔ اگر تحریکات میں یہی تنافُس[1] برابر کام کرتا رہے اور اگر ہم دوسروں سے مقابلے کے بجائے آپس کے مُکابرہ[2] ہی میں بدستور مشغول رہیں، اور اگر ہمارے تمام کام اجتماع و ائتلاف[3] کے اسلامی اصول کے بجائے افتراق کے خالص غیر اسلامی اصول پر چلتے رہیں تو پھر بہتر ہے کہ یہ تمام اسکیمیں لپیٹ کر رکھ دی جائیں اور ایک دفعہ ہم سب یہاں اسلام کے مستقبل کی فاتحہ پڑھ کر اپنے اپنے دل پسند مشاغل میں مصروف ہو جائیں۔

## پس اے معمارانِ حرم!

جس طرح ایک عمارت تیار کرنے کے لیے اچھے ساز و سامان سے زیادہ معمار کی اعلیٰ قابلیت درکار ہوتی ہے، اسی طرح ہمیں مفید تدبیروں اور کارآمد تجویزوں سے زیادہ کام کرنے کی صلاحیت درکار ہے۔ دوا خواہ کتنی ہی مفید اور کارگر ہو لیکن طبیب میں علاج کرنے کی قابلیت نہ ہو تو وہ مریض کے لیے کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتی۔ پس اگر ہماری قوم کے اربابِ حل و عقد وقت کی نزاکتوں کو ٹھیک ٹھیک محسوس کرتے ہیں تو اُنہیں تمام دوسرے ملحوظات کو نظر انداز کر کے سب سے پہلے تنظیمِ قوائے ملی کی طرف توجہ کرنی چاہیے اور جلد سے جلد اس طوائف الملوکی کا خاتمہ کر دینا چاہیے جو اس وقت ہماری تمام قومی تحریکوں میں جاری و ساری ہے۔

---

[1] باہمی مقابلہ

[2] مقابلہ، مجادلہ، بڑائی جتانا، خواہ مخواہ جیتنے کے لیے بحث

[3] باہمی الفت اور ہم آہنگی پیدا کرنا

حصہ دوم (پہلا باب)

# اسلام کی قوت کا اصل سرچشمہ، دعوت وتبلیغ

جب سے بعض نومسلم قوموں میں ارتداد کی وبا پھیلی ہے ہندوستان کے مسلمانوں میں عام ہلچل مچ گئی ہے اور ہر طرف سے تبلیغ واشاعتِ اسلام کی آواز بلند ہونے لگی ہے۔ مختلف جماعتیں اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی بساط کے مطابق دعوتِ دینِ حق کی خدمت انجام دے رہی ہیں۔ اخبارات ورسائل میں اس کی اہمیت پر گرما گرم بحثیں جاری ہیں۔ وسائلِ تبلیغ کی تحقیق کے لیے مجلسیں منعقد ہو ہی ہیں اور فی الجملہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں درحقیقت کوئی ذوقِ تبلیغ پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن جب ہم اس مسئلہ پر ایک غائر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہم آج کل کے مسلمان اُس ذوقِ تبلیغ سے بالکل ہی نا آشنا ہیں جو کسی زمانے میں اسلام کی فاتحانہ قوتوں کا ضامن اور اس کی عالمگیری و جہاں کشائی کا سب سے زیادہ کارگر ہتھیار تھا۔ اگر آج ہمارے اندر وہی ذوق موجود ہوتا تو شاید اِن کانفرنسوں اور مجلسوں کی ضرورت ہی پیش نہ آتی، اور اغیار کی چیرہ دستیوں سے ہمارے گھر میں ماتم بپا ہونے کے بجائے خود اغیار کے مجمع میں ہمارے مذہب کی بڑھتی ہوئی قوت سے کھلبلی مچی ہوئی ہوتی۔ بعض وقت جب ہم غور کرتے ہیں کہ یہ اُسی مذہب کے پیروؤں کی چیخ پکار ہے جس کے مقدس پیرووں نے ایک صدی کے اندر اندر بحرالکاہل کے کناروں سے لے کر بحر اوقیانوس کے سواحل تک کلمۂ حق کی اشاعت کر دی تھی تو ہم حیران ہو کر سوچنے لگتے ہیں کہ آیا یہ وہی مذہب ہے یا ہم مسلمانوں نے بنی اسرائیل کی طرح اپنے پیغمبروں کے بعد کوئی اور نیا مذہب بنا لیا ہے۔

ہماری زبانوں پر تبلیغ تبلیغ کا ورد جاری ہے اور ہم تبلیغ کے لیے انجمنیں بنا کر اسلام کی اشاعت

کرنا چاہتے ہیں مگر شاید یہ اسلام کی تاریخ میں پہلا واقعہ ہے کہ اُس کے پیروؤں نے عیسائیوں کی طرح مشنری سوسائٹیاں بنانے کی کوشش کی ہے، یا اس بے تابی کے ساتھ تبلیغ کا شور مچایا ہے۔ اگر کامیابی کا حقیقی راز صرف انجمن سازیوں اور شور وشغب میں ہوتا تو یقیناً ہماری ترقی کی رفتار ہمارے اسلاف سے زیادہ تیز ہونی چاہیے تھی لیکن اس کے برخلاف ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس ساز و سامان کو لے کر ہمارا ہر قدم پیچھے اُٹھ رہا ہے اور اُس بے سروسامانی کے عالم میں ہمارے اسلاف کی کامیابیوں کا یہ عالم تھا کہ اُن کی بدولت آج دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کے پیرو موجود ہیں اور خود ہندوستان میں ہماری تعداد سات[1] کروڑ تک پہنچی ہوئی ہے۔ پھر آخر سوچنا تو چاہیے کہ ہم میں کس چیز کی کمی ہے اور اشاعتِ اسلام کا اصلی راز کیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ آج یہ جتنی کمزوریاں مسلمانوں میں پیدا ہوگئی ہیں سب صرف اس لیے ہیں کہ اُن میں سے اسلامی روح نکل گئی ہے اور وہ یہ بھول گئے ہیں کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے وہ کیا ہیں۔ اگر وہ اسلام کو سمجھ لیں اور اُنہیں معلوم ہوجائے کہ ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد اور اُس کا نصب العین کیا ہوتا ہے تو یہ تبلیغ واشاعتِ اسلام کا مسئلہ خود بخود حل ہوجائے۔

## مسلمان کا مقصدِ وجود

پروفیسر میکس ملر (Max Muller) کے بقول اسلام دراصل ایک تبلیغی مذہب ہے جس نے اپنے آپ کو تبلیغ کی بنیادوں پر قائم کیا، اُسی کی قوت سے ترقی کی اور اُسی پر اُس کی زندگی کا انحصار ہے۔ اسلامی تعلیمات پر غور کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اگر کسی چیز کا نام ہے تو وہ صرف دعوتِ حق ہے، اور مسلمان کی زندگی کا اگر کوئی مقصد ہے تو وہ صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ قرآن حکیم میں مسلمان کا مقصدِ حیات یہ بیان کیا گیا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (سورۃ آل عمران 110)

ترجمہ: دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لیے میدان میں

[1] یہ 1925ء کی بات ہے۔ اب تو برصغیر پاک وہند میں بشمول بنگلادیش مسلمانوں کی آبادی 45 کروڑ کے لگ بھگ ہوچکی ہے۔

لایا گیا ہے۔تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اور دنیا کے لیے اُس کے وجود کی ضرورت صرف یہ ظاہر کی گئی ہے کہ:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ
(سورۃ آل عمران 104)

ترجمہ: تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی ہونے چاہییں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں، اور برائیوں سے روکتے رہیں۔

اُسے جگہ جگہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (سورۃ النحل 125)

ترجمہ: (اے نبیؐ) اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔

اور فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾ (سورۃ ق 45)

ترجمہ: (اے نبیؐ) بس تم اس قرآن کے ذریعہ سے ہر اُس شخص کو نصیحت کر دو جو میری تنبیہ سے ڈرے۔

اور فَذَكِّرْ ۫ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ (سورۃ الغاشیۃ 21)

اچھا تو (اے نبیؐ) نصیحت کیے جاؤ، تم بس نصیحت ہی کرنے والے ہو

یہی تعلیم تھی جس کا اثر رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زندگی پر سب سے زیادہ غالب تھا اور اُسی نے حضرات صحابۂ کرامؓ کی زندگیوں کو بالکل بدل دیا تھا۔ ان کی مقدس زندگیاں عبارت تھیں صرف دعوت وتبلیغ سے، اُن کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، غرض ہر کام اپنے اندر یہ معنوی مقصد پوشیدہ رکھتا تھا کہ خدا کی طرف لوگوں کو بلائیں اور اللہ کے بندوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی تلقین کریں۔

جب تک مسلمانوں میں قرآن حکیم اور اسوۂ رسولؐ کی ان تعلیمات کا اثر باقی رہا اُس وقت تک ہر مسلمان کی زندگی ایک مبلغ اور داعی کی سی زندگی رہی۔ اُنہوں نے صنعت، تجارت، زراعت، حکومت اور دنیا کے سارے کام کیے مگر دل میں یہ لگن رہی کہ اسلام کی جو نعمت خدا نے اُن کو عطا کی ہے اُس سے تمام بنی نوعِ انسان کو بہرہ مند کرنے کی کوشش کریں۔ وہ حقیقتاً اسلام کو

دنیا کے لیے بہترین نعمت سمجھتے تھے اور اِس لیے اُن کا ایمان تھا کہ ہر انسان تک اِس نعمت کو پہنچانا اُن کا فرض ہے۔ جو شخص جس حال میں تھا اُسی حال میں وہ یہ فرض انجام دیتا تھا۔ تاجروں نے تجارت کے کام میں، مسافروں نے اپنے سفر کے دوران میں، قیدیوں نے اپنے قید خانوں میں، ملازموں نے اپنے دفتروں میں اور مزارعوں نے اپنے کھیتوں میں یہ مقدس خدمت انجام دی اور یہ ذوق اس حد تک ترقی کر گیا کہ عورتوں تک نے نہایت مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کی۔

## اسلام کی قوت کا اصلی سرچشمہ

یہی ذوق حقیقتاً اسلام کی قوت کا اصلی سرچشمہ تھا۔ آج جو دنیا میں چالیس کروڑ مسلمان[1] نظر آ رہے ہیں اور دنیا کی مختلف نسلوں، مختلف قوموں اور مختلف ملکوں پر اسلام کی حکومت قائم ہے وہ صرف اسی ذوقِ تبلیغ کا نتیجہ ہے۔

اسلام کے دشمن کہتے ہیں کہ اس کی اشاعت صرف تلوار کی رہن منت ہے لیکن تاریخ شاید ہے کہ وہ صرف تبلیغ کی منت پذیر ہے۔ اگر اس کی زندگی تلوار پر منحصر ہوتی تو وہ تلوار ہی سے فنا بھی ہو جاتی؛ اور اب تک تلوار سے اُس پر جتنے حملے ہوئے ہیں وہ اسے فنا کر دینے میں قطعاً کامیاب ہو جاتے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر اوقات اُس نے تلوار سے مغلوب ہو کر تبلیغ سے فتح حاصل کی۔

ایک طرف بغداد میں قتلِ عام جاری تھا اور دوسری طرف سُماٹرا میں اسلام کی حکومت قائم ہو رہی تھی۔ ایک طرف قُرطُبہ (اندلس) سے اسلام مٹایا جا رہا تھا اور دوسری طرف جاوا میں اُس کا علم بلند ہو رہا تھا۔ ایک طرف صقلیہ سے اُس کا جنازہ اُٹھ رہا تھا اور دوسری طرف چین میں اُسے ایک نئی زندگی حاصل ہو رہی تھی۔ ایک طرف تاتاری اُس کے گلے پر چھری پھیر رہے تھے اور دوسری طرف وہ خود اُن کے دلوں کو فتح کر رہا تھا۔ ایک طرف ترک اسے غلامی کا طوق پہنا رہے تھے اور دوسری طرف خود اُن کے دل اپنے آپ کو اُس کی غلامی کے لیے پیش کر رہے تھے۔

اگر یہ اس کی تبلیغ کی فتح نہیں تھی تو اور کیا تھی؟ آج اسلام کی وہ فتوحات جنہیں شمشیری

[1] یہ اندازہ بیسویں صدی کے آغاز کا ہے۔ اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ایک ارب پینتیس کروڑ کے لگ بھگ ہو چکی ہے۔

فتوحات کہا جاسکتا ہے دنیا سے مٹ چکی ہیں۔ اسپین فنا ہو چکا، صقلیہ مٹ گیا، یونان تباہ ہو گیا، مگر وسط افریقہ، جاوا، سماٹرا، چین اور جزائر ملایا جنہیں اس نے تبلیغ کے ہتھیار سے فتح کیا ہے بدستور موجود ہیں اور اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ اسلام کی زندگی تبلیغ اور صرف تبلیغ پر منحصر ہے۔ پھر کیا یہ تبلیغ مشنری سوسائٹیوں کے ذریعے کی گئی تھی؟ کیا یہ عظیم الشان فتوحات اسی بے عمل چیخ پکار کے ذریعے حاصل ہوئی تھی جس میں آج ہم مشغول ہیں؟ کیا یہ عالمگیریاں ان رسالہ بازیوں، ان کاغذی لڑائیوں اور ان قلمی ترکتازیوں کی منت کش ہیں جنہیں ہم نے مسیحی مبلغین کی تقلید میں اختیار کیا ہے۔ تاریخ اس کا جواب نفی میں دیتی ہے اس مضمون میں ہم اسی مسئلہ پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔

QuranUrdu.com

دوسرا باب

# اشاعتِ اسلام کے اسباب

اگر واقعات وحقائق کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں تین چیزیں لازمی عنصر کی حیثیت سے شریک ہیں:

1- ایک اُس کے سادہ عقائد اور دلکش عبادات

2- دوسرے مسلمانوں کی زندگی میں اُس کی تعلیم کے حیرت انگیز نتائج اور

3- تیسرے مسلمانوں کا ذوقِ تبلیغ

پہلی چیز عقل سے اپیل کرتی ہے، دوسری جذبات کو ابھارتی ہے اور تیسری ایک مشفق رہنما کی طرح بھولے بھٹکوں کو راہ راست پر لگاتی ہے۔ جس طرح بازار میں ایک متاع کی مقبولیت کے لیے صرف اُس کی ذاتی خوبی ہی ضمانت نہیں ہوتی بلکہ اُس کے لیے ایسے کارکنوں کی ضرورت بھی ہوتی ہے جو اُس کی خوبیاں اور فوائد لوگوں کے ذہن نشین کرائیں، اور ایسے شاہد بھی درکار ہوتے ہیں جو اپنے اندر اُس کے منافع فی عملی شہادت دیں، اسی طرح دنیا میں اسلام کی اشاعت کے لیے بھی ہمیشہ ان تینوں چیزوں کے مساویانہ اشتراک عمل کی ضرورت رہی ہے اور جب کبھی اس میں کسی ایک کی کمی رہ گئی ہے تو ضرور اشاعتِ اسلام کی تیز رفتاری پر بھی اس کا اثر پڑا ہے۔ یہ تینوں چیزیں کس طرح اپنا عمل کرتی ہیں اور اُن کے اشتراکِ عمل سے کیا نتائج رونما ہوتے ہیں اس کو جاننے کے لیے ذرا تشریح کی ضرورت ہے۔

## اسلامی عقائد کی سادگی اور فطرت سے ہم آہنگی

اسلامی عقائد اس قدر سادہ اور دل نشیں ہیں کہ ایک معمولی سے معمولی عقل کا انسان بھی انہیں

تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ نہ اُن کے اندر کسی قسم کی پیچ در پیچ فلسفیت ہے۔ نہ اُن میں کسی قسم کے ظن و اوہام سے کام لیا گیا ہے۔ نہ اُن کے اندر دوراز کار باتوں کا دخل ہے۔ چند نہایت صاف اور سیدھے سے اصول ہیں جنہیں عقل نہایت آسانی سے قبول کر لیتی ہے اور جنہیں قبول کر لینے کے بعد انسان کو اپنے اندر خود ایک حیرت انگیز انقلاب محسوس ہونے لگتا ہے۔ ان سب باتوں کے ساتھ ان کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ہر چیز نہایت صاف اور قطعی ہے جس کے اندر کسی قسم کے احتمالات نہیں ہیں۔ خدا کے متعلق اُس نے بالکل واضح عقیدہ پیش کیا ہے:

اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ (سورۃ الانبیاء 108)

یعنی تمہارا خدا وہی ایک خدا ہے۔

اس میں دوئی کا ہرگز احتمال نہیں ہے۔

لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ (سورۃ النحل 51)

اور اُس کے لیے کسی مددگار کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (سورۃ البقرۃ 20)

وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝ (ابراہیم 27)

يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝ (المائدۃ 1)

اُس کی ذات والدین اور ولدیت سے بھی مبرا ہے اور کوئی اُس کا ہمسر نہیں:

لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ (سورۃ الاخلاص)

اُسے کسی قسم کے انسانی عوارض لاحق نہیں ہوتے۔

اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ (سورۃ البقرۃ 255)

آسمان اور زمین میں اُس کے سوا کوئی قوت ایسی نہیں ہے جس سے انسان اِستمداد اور اِستعانت کر سکتا ہو:

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ

(سورۃ البقرۃ 107)

وہی اس قابل ہے کہ اُس کی عبادت کی جائے:

فَاعۡبُدِ اللّٰهَ مُخۡلِصًا لَّهُ الدِّیۡنَ ۝ (سورۃ الزمر 2)

اسی طرح رسالت کے متعلق بھی اُس نے کسی قسم کی اُلوہیت کا شائبہ باقی نہیں رکھا ہے اور نہایت صفائی کے ساتھ یہ عقیدہ پیش کیا ہے کہ رسول ایک انسان کے سوا کچھ نہیں ہوتا جسے خدا نے اپنے بندوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے منتخب فرمالیا ہے۔

اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ (سورۃ الکہف 110)

اور ہر قوم کے لیے خدا نے ایک ہادی بھیجا ہے

وَّلِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ ۝ (سورۃ الرعد 7)

اعمال اور ان کی ذمہ داری کے متعلق اُس نے پوری صفائی کے ساتھ متنبہ کیا ہے کہ یہاں کوئی کفارہ اور بدل نہیں ہے، ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور جو شخص جیسے اعمال کرے گا اُسے ویسی ہی جزا یا سزا ملے گی:

فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَیۡرًا یَّرَهٗ ۝ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ۝ (سورۃ الزلزلۃ 8-7)

مَعاد کے متعلق اُس نے ایسا صاف اور واضح عقیدہ پیش کیا ہے کہ کسی مذہب نے بھی نہیں کیا۔ نہ اُس میں بدھ مذہب کا بعید از عقل فلسفۂ نجات ہے، نہ ویدک دھرم کا پیچ در پیچ فلسفۂ تناسُخ اور نہ دہریت کا عقیدۂ فنائے کامل۔ بلکہ اس میں نہایت وضاحت کے ساتھ یہ عقیدہ پیش کیا گیا ہے کہ انسان اپنی موجودہ زندگی کے اعمال کا نتیجہ اپنی آئندہ زندگی میں دیکھے گا اور اصلی زندگی وہی ہوگی۔

یہ عقائد اس قدر سیدھے سادھے ہیں کہ انسانی عقل اُنہیں آسانی کے ساتھ قبول کر لیتی ہے اور اسلامی مبلغین کو ہمیشہ اپنی تبلیغ میں اس لیے کامیابی ہوتی ہے کہ وہ کوئی ایسی پیچیدہ چیز پیش نہیں

کرتے جسے تسلیم کرنے سے عقل اِباء کرتی ہو۔ ایک مشہور فرانسیسی عالم پروفیسر مانٹیٹ[1] ان عقائد کے متعلق لکھتا ہے کہ:

''ایسا عقیدہ جو اس قدر واضح، فلسفیانہ پیچیدگیوں سے اس قدر مبرا اور اس قدر معمولی عقل میں آجانے کے قابل ہو، اُس میں یقیناً انسانی نفس کو مسخر کر لینے کی معجز نما قوت ہونی چاہیے اور فی الواقع وہ ایسی قوت رکھتا ہے۔''

انسانی عقل پر ان عقائد کا جتنا گہرا اثر ہوتا ہے اس کا اندازہ نہایت آسانی کے ساتھ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک یورپین سیاح افریقہ کی گالا قوم کے ایک آزاد شدہ غلام سے ملا جسے بچپن میں سواحلِ زَنج سے پکڑ کر جدہ میں فروخت کر دیا گیا تھا۔ سیاح نے اُس سے پوچھا کہ تمہارے دل میں اُن لوگوں کے لیے کوئی نفرت نہیں ہے جنھوں نے تم کو بلا کسی حق کے پکڑ کر جانوروں کی طرح فروخت کر دیا؟ اِس کے جواب میں اُس حبشی غلام نے کہا:

''ہاں میرے دل میں طبعاً اُن کی طرف سے رنج موجود ہے مگر ایک چیز نے اُس کی تلافی کر دی ہے، اور وہ یہ ہے کہ میں اُن کی بدولت کفر کی جہالت سے نکل گیا ہوں۔ میں اسے خدا کا فضل و کرم سمجھتا ہوں کہ میں اِس ملک میں لایا گیا اور مجھے اسلام کی نعمت حاصل ہوئی۔ یقین کیجیے کہ ایمان کی حلاوت سے بڑھ کر کوئی حلاوت نہیں ہے اور یہ ایسی حلاوت ہے جسے صرف دل ہی محسوس کرتا ہے، زبان سے اس کا بیان ممکن نہیں۔''

## اسلامی عبادات کی دلکشی اور جاذبیت

یہی حال اسلامی عبادات کا ہے، اِن میں کچھ ایسی دلکشی اور جاذبیت بھری ہوئی ہے کہ

[1] پروفیسر ایڈورڈ مونتے Edward Montet (1856ء تا 1927ء) سوئٹزرلینڈ کی جنیوا یونیورسٹی میں عبرانی، عربی اور تاریخ اسلام کے استاد تھے۔ انہوں نے فرانسیسی زبان میں اسلام اور تاریخ اسلام کے متعلق بہت سے مقالے اور قابل قدر کتابیں لکھیں۔ انہوں نے قرآن مجید کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ مستفاد از ''دعوتِ اسلام'' مترجم: ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ مرحوم

مانٹیسکیو[1] کے بقول کوئی دل اُن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

سعید بن حسن، اسکندریہ کے ایک یہودی نے لکھا ہے:

''میں محض مسلمانوں کی عبادت کو دیکھ کر مسلمان ہوا ہوں۔ ایک دفعہ میں جامع مسجد میں نماز کا منظر دیکھنے گیا۔ سب سے پہلے جس چیز نے میرے دل پر اثر کیا وہ خطبہ تھا۔ اُس کا ایک ایک لفظ میرے دل پر اثر کر رہا تھا اور خصوصاً جب خطیب نے کہا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ

(سورۃ النحل 90)

اللہ عدل اور احسان اور صلۂ رحمی کا حکم دیتا ہے، اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔

تو میرے دل میں ایسے مذہب کی بے حد عزت قائم ہوگئی جس کا خدا اتنی اعلیٰ تعلیم دیتا ہو۔ پھر جب نماز شروع ہوئی اور مسلمان پرے کے پرے باندھ کر کھڑے ہوئے تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ یہ فرشتے ہیں جن کے سامنے خدا بے نقاب ہو کر آ گیا ہے اور میرے دل نے کہا کہ اگر خدا نے دو مرتبہ بنو اسرائیل سے کلام کیا تھا تو اس قوم کے ساتھ وہ روزانہ پانچ مرتبہ کلام کرتا ہے۔''

نماز کی یہ شان کہ اُس کے لیے نہ کسی پروہت کی قید ہے نہ پادری کی۔ نہ کسی مندر کی شرط ہے نہ گرجا کی۔ ہر مسلمان امام بن سکتا ہے۔ ہر جگہ اُس کی مسجد ہے اور ہر شخص بلا امتیاز درجہ و قومیت اس میں شریک ہو سکتا ہے۔ نماز اس قدر بلا کی تاثیر اپنے اندر رکھتی ہے کہ متعصب سے متعصب دشمنانِ اسلام بھی اس کی تعریف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ایک ان دیکھے خدا کی عبادت اس انداز کے ساتھ کہ محض اس کے ذہنی تصور سے دلوں پر خشوع و خضوع طاری ہے اور تمام حرکات و

---

[1] مون تسکیو Montesquieu (1689ء تا 1755ء) فرانس کا ایک مشہور ادیب اور فلسفی مورخ، جس نے رومیوں کے عروج و زوال پر ایک پر مغز کتاب لکھی۔ اس کی مشہور ترین کتاب "L Espirit des Lois" ہے جس میں اس نے حکومت و سیاست کے اصولوں پر بحث کی ہے۔ مندرجہ بالا جملہ اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔ (بحوالہ ''دعوتِ اسلام'' مترجم: ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ مرحوم)

سکنات سے انتہائی عظمت وخوف کے آثار نمایاں ہیں، پتھر سے پتھر دل کو بھی موم کر دیتی ہے۔ پادری لیفرائے[1] جس سے علمائے ہند کے معرکہ آرا مناظرے شاید ابھی تک لوگوں کی یاد میں محفوظ ہوں، اپنی کتاب "Mankind and the Church" میں لکھتا ہے:

''کوئی شخص مسلمانوں کی اس عبادت کو دیکھ کر اُس کے اثر سے مغلوب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ مسلمان خواہ کہیں ہو، سڑک پر چل رہا ہو، اسٹیشن پر ہو، دکان پر بیٹھا ہو یا میدان میں ٹہل رہا ہو، اذان ہوتے ہی سب کام چھوڑ دیتا ہے اور ایک خدا کے آگے جھک جاتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ جس شخص نے دہلی کی جامع مسجد میں الوداع کے دن پندرہ بیس ہزار مسلمانوں کو نہایت خاموشی اور خشو وخضوع کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھا ہو وہ اس منظر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور اُس کے دل میں اُس قوت کا احساس ضرور پیدا ہوتا ہے جو اس مذہبی نظام میں کام کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی روزانہ پنج وقتہ نماز کی باقاعدگی اور انتہائی شور وغل کے اوقات میں بھی ان کا سکون اور اطمینان سے اپنا فرض ادا کرنا اپنے اندر ایک خاص پیغام رکھتا ہے۔''

## اسلامی تعلیمات کے اثرات مسلمانوں کی زندگی پر

عقائد وعبادات کے بعد دوسری چیز جو اپنی عملی تاثیر کے اعتبار سے اسلام کی اشاعت میں سب سے زیادہ کارگر قوت ہے، وہ مسلمانوں کی اسلامی زندگی ہے۔ اسلام اگر صرف اصول ہی پیش کرتا اور اس کی تعلیمات میں وہ انقلاب انگیزیاں نہ ہوتیں، جنہوں نے وحشی سے وحشی قوموں کو بھی انسانیت کے اعلیٰ مدارج تک پہنچا دیا تو شاید دنیا اُس کی طرف بہت کم مائل ہوتی لیکن اُس نے اصول کے ساتھ اعمال بھی پیش کیے ہیں اور فی الحقیقت یہ انہی کی مقناطیسی قوت ہے جو دلوں کو اس طرف کھینچتی ہے۔

خدا کی وحدانیت، اُس کی قدرت اور صرف اُسی کے سزاوارِ استعانت ہونے کے متعلق

[1] Bishop Lefroy: "Mankind and the Church" p.283-84 (London 1907)

اسلام کی تعلیمات نے مسلمانوں کو اس قدر خوددار، اس قدر صابر و شاکر اور اس قدر متحمل و مستقل مزاج بنا دیا ہے کہ وہ نہ کسی سے دنیا میں ڈرتے ہیں، نہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور نہ کسی بڑی سے بڑی مصیبت کے مقابلے میں مایوس ہوتے ہیں۔ جزا و سزا اور یومِ آخر کے متعلق اسلامی تعلیم نے اُن کے اندر اتنی شجاعت و بہادری پیدا کر دی ہے کہ وہ اپنی موجودہ زندگی کو فانی سمجھ کر ہر وقت اُسے خدا کے نام پر قربان کر دینے کے لیے تیار رہتے ہیں اور اُن کے خون کی حرارت دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ پرہیزگاری اور اِتّقاء کے متعلق اسلامی تعلیمات نے اُن کے اندر غیر معمولی زہد و تقویٰ پیدا کر دیا ہے اور شراب، زنا، چوری اور اخلاقی جرائم سے احتراز کرنے میں وہ تمام مذاہب کے پیروؤں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ انسانی مساوات اور اسلامی اخوت کے متعلق اسلام کی تعلیم نے ان کے اندر ایسی جمہوری روح پھونک دی ہے کہ نہ اُن کے ہاں نسل و رنگ کا امتیاز ہے نہ ذات پات کی قید، نہ امیر غریب کا فرق اور نہ قومیت و وطنیت کا تعصب۔ ہر شخص اسلام قبول کر لینے کے بعد اسلامی برادری کا ایک رکن بن جاتا ہے اور خواہ وہ کالا ہو یا گورا، امیر ہو غریب، آقا ہو یا غلام، بہرحال مسلمان اُس کو اپنا بھائی سمجھنے پر مجبور ہیں اور وہ نماز میں بڑے بڑے مسلمان کے برابر کھڑے ہونے کا حق رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کی زندگی میں دوسری اسلامی تعلیمات کے اثرات بھی نہایت نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ علم اور تہذیب و تمدن ہے جو اسلام قبول کرتے ہی وحشی سے وحشی قوموں میں گھر کر لیتا ہے۔

یورپ کے مسیحی مبلغین یہ دیکھ کر حیران رہ گئے ہیں کہ افریقہ کی وحشی سے وحشی قوموں میں اسلام کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ مدنیت کے آثار بھی پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مساجد کی تعمیر، مدارس کا قیام، اجتماعی زندگی اور اس کے ساتھ تجارت اور خوشحالی کی ترقی، یہ ایسی چیزیں ہیں جو رفتہ رفتہ اسلام کی اشاعت کے ساتھ افریقہ کی وحشیانہ زندگی کو تمدن و حضارت سے بدل دیتی ہیں اور اُنہیں دیکھ کر دوسری وحشی قوموں کو بھی وہی مذہب قبول کر لینے کی خواہش ہوتی ہے جو اُن کے ہم

جنسوں کو اتنی جلدی اتنے بلند درجے پر پہنچا دیتا ہے۔ تاریخ میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ چھٹی صدی ہجری میں جب بالائی نائیجیریا کی سب سے زیادہ طاقت ور ریاست جِنّی Jenne میں بربروں نے اسلام کی اشاعت شروع کی تو وہاں نہات کثرت سے علماء وفضلا پیدا ہو گئے اور جب بادشاہ نے اسلام قبول کرنے کے لیے مجلس مقرر کی تو اس میں دو ہزار چار سو علماء شریک ہوئے۔ اسلام کے ان مدنیت پرور اثرات نے عرب، ہندوستان، مصر اور اسپین (اندلس) میں جو حیرت انگیز نقوش چھوڑے ہیں ان کے بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ تاریخ و آثار کی اُن پر نہایت روشن شہادت موجود ہے۔

## اسلامی مساوات کی اثر انگیزی

اسلامی زندگی میں سب سے زیادہ مؤثر چیز مساوات ہے جو تمام ان قوموں کے لیے ایک آسمانی رحمت ہے جنہیں رسم و رواج اور طاقت و اقتدار کی خودغرضی نے انسانیت کی عام سطح سے نیچے رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اسلام اُن کے لیے پیغام نجات کا حکم رکھتا ہے اور زمانہ شاہد ہے کہ اُس نے ایسی ہزاروں قوموں کو قعرِ مذلت سے اٹھا کر آسمان عزت و شرافت تک پہنچا دیا ہے۔ اِس شانِ مساوات نے اسلام کی اشاعت میں سب سے زیادہ حصہ لیا ہے اور تقریباً تمام اُن علاقوں میں جہاں ایسی مظلوم اقوام رہتی ہیں اسلام کی مقبولیت کا واحد ذریعہ یہی چیز ہے۔

سر ولیم ہنٹر[1] (Sir william Hunter) بنگال کی نیچ ذات قوموں میں اشاعتِ اسلام کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''اِن غریب مچھیروں، شکاریوں اور نیچ ذات کسانوں کے لیے اسلام ایک آسمانی رحمت بن کر نازل ہوا۔ وہ نہ صرف حکمران قوم کا مذہب تھا بلکہ اس میں اتنی مساوات بھی تھی کہ وہ اس کی بدولت خود اُن لوگوں سے بھی زیادہ بلند درجہ حاصل کر سکتے تھے جو اُنہیں ذلیل خیال کرتے تھے

[1] sir W.W Hunter: "The Religion of India" (The Times February 25,1988)

(یعنی ہندو)۔اس بنا پر اسلام ملک کے سب سے زیادہ خوشحال صوبہ پا قابض ہوگیا۔اگرچہ تاریخ میں کہیں کہیں جبریہ اشاعتِ اسلام کی مثالیں بھی ملتی ہیں مگر دراصل قوت وہ چیز نہیں ہے جس کا اسلام ممنون ہے، بلکہ وہ خود اُس کی خوبیاں ہیں۔اس نے اہل بنگال کی عقل کو اپیل کیا، اُن کے سامنے انسانیت کا ایک بلند مفہوم پیش کیا، انسانی برادری کا ایک ایسا عجیب اصول قائم کیا جس سے وہ بالکل نا آشنا تھے اور ذات پات کی قیدوں کو بالکل توڑ دیا۔''

جنوبی ہند میں زیادہ تر اسی مساوات کی بدولت اسلام نے ہندویت پر فتح پائی ہے۔آج سے بیس پچیس سال پہلے (یعنی بیسویں صدی کے آغاز میں) ٹِنا ویلی کے علاقہ میں جو واقعہ پیش آیا تھا وہ اس فتح کا ایک سبق آموز نمونہ ہے۔اس علاقے میں شنار نامی ایک قوم رہتی ہے جس کا شمار نیچ قوموں میں ہوتا تھا۔اپنی ہنرمندی اور مستعدی کی بدولت اُس نے کافی دولت پیدا کی اور تعلیم و معاشرت کے اعتبار سے عام ہندوؤں کے مقابلے میں اُس کا درجہ بہت بلند ہوگیا مگر پھر بھی ہندو اُس کے ساتھ وہی اہانت آمیز سلوک کرتے رہے جو اُچھوتوں کے ساتھ وہ عام طور پر کرتے ہیں۔ اس سے شناروں کے جذبات کو سخت صدمہ پہنچا تھا اور اُن کے دل ہندو مذہب سے پھرتے جاتے تھے۔آخر ایک مرتبہ ہندوؤں سے اُن کی سخت جنگ ہوئی اور محض چند شناروں کے ایک مندر میں گھس جانے پر ہندوؤں نے اُن کو سخت زدوکوب کیا۔اِس پر تمام شناروں نے مسلمان ہوجانے کا فیصلہ کرلیا۔تقریباً چھ سو شنار اُسی تاریخ کو مسلمان ہوگئے اور جُوں جُوں آس پاس کے دیہات میں اس واقعہ کی اطلاع پہنچتی گئی شنار ذات کے لوگ اسلام قبول کرتے چلے گئے۔

افریقہ کے حبشیوں میں بھی یہی انسانی مساوات اور اسلامی اخوت اشاعت اسلام کی سب سے زیادہ مؤثر قوت ہے۔مسٹر بلائیڈن[1] اپنی کتاب ''عیسائیت، اسلام اور نیگرو نسل'' میں لکھتے ہیں:

''جونہی کسی بت پرست حبشی کے متعلق پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام لانے کا ارادہ رکھتا ہے تو خواہ وہ کتنا ہی وحشی اور ادنیٰ درجے کا آدمی کیوں نہ ہو اُسے فوراً

[1] E.W. Blyden: "Christinaity, Islam and The Negro Race." (London, 1888)

اپنی اسلامی برادری میں ایک برابر کے رکن کی حیثیت سے شامل کرلیا جاتا ہے اور محض تالیف قلبی ہی کے لیے نہیں بلکہ حقیقتاً بھائی سمجھ کر اُس کی اتنی خاطر مدارات کی جاتی ہے کہ وہ بہت جلدی اپنے لیے اسلام کی غیر معمولی نعمتوں کو محسوس کر لیتا ہے۔ افریقہ میں اسلام کو عیسائیت پر جو تفوق حاصل ہے اُس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے۔

QuranUrdu.com

تیسرا باب

# صوفی مبلغین اسلام کی خدمات جلیلہ

گزشتہ صفحات میں اشاعت اسلام کے دو اہم اسباب سے بحث کی جا چکی ہے۔ اب اس کے عملی پہلو پر نظر ڈال کر دیکھنا چاہیے کہ اُس آسمانی صداقت پر ایمان لانے والوں نے اس کی روشنیوں کو اَقطاعِ عالم میں پھیلانے کے لیے کیا کیا کوششیں کی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اصل چیز تو وہی اسلام کی ذاتی خوبیاں اور عملی محاسن ہیں جو ہر قلب سلیم سے اس کو ایک سچا دین قبول کرا لیتی ہیں لیکن دنیا کے مشاہدہ میں ہم رات دن دیکھتے ہیں کہ اچھی سے اچھی متاع بھی، اگر اُس کا اشتہار نہ ہو تو رکھی رہ جاتی ہے اور بیچنے والے مستعد کارکن (Agents) بُری سے بُری متاع کے خریدار بھی بازار میں پیدا کر لیتے ہیں۔ جب تک کسی چیز کے اوصاف اور منافع کو لوگوں تک پہنچایا نہ جائے اور دلوں میں اُس کے لیے شوق پیدا نہ کیا جائے اُس وقت تک خاص خاص طبائع کے سوا عام طبیعتیں اُس کی طرف کم رجوع کرتی ہیں؛ اور اسی لیے ہر متاع کی کامیابی عموماً اُس کے سوداگروں کی سرگرمی، مستعدی اور قوت تشہیر پر منحصر ہوا کرتی ہے۔ یہی اصول مذاہب کی اشاعت پر بھی یکساں حاوی ہے۔ اسلام خواہ کتنا ہی سچا اور بہتر مذہب ہو مگر اس کی اشاعت کے لیے صرف اُس کی ذاتی خوبیاں ہی کافی نہیں ہو سکتیں بلکہ اس کے پیروؤں کا ذوقِ تبلیغ بھی ضروری ہے بلکہ زیادہ صحیح طور پر یہ ذوقِ تبلیغ اشاعتِ اسلام کے ارکان ثلاثہ میں عملی رکن کی حیثیت رکھتا ہے۔

## مسلمانوں کے ذوقِ تبلیغ کی جہانگیری

آج ہم بے عمل مسلمان اُس حیرت انگیز ذوقِ تبلیغ کا ٹھیک ٹھیک تصور بھی نہیں کر سکتے جو

گزشتہ زمانے کے دیندار مسلمانوں میں کام کر رہا تھا اور جو ہمارے موجودہ زمانہ میں بھی افریقہ، چین[1] اور جزائر ملایا کے مسلمانوں میں کام کر رہا ہے۔ اُن لوگوں کے وظائفِ حیات میں سب سے زیادہ اہم وظیفہ اگر کوئی تھا تو وہ صرف اُس دین کی صداقت کو بنی نوعِ انسان کے زیادہ سے زیادہ افراد تک پہنچانا تھا جس کی روشنی سے اُن کے دل معمور تھے۔ اُن کے دلوں پر یہ عقیدہ پتھر کی لکیر بنا ہوا تھا کہ مسلمانوں کی حیثیت سے اُن کی پیدائش کا مقصد صرف دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ وہ جہاں جاتے تھے یہ مقصد اُن کے ساتھ جاتا تھا اور ان کی زندگی کے ہر عمل میں اُس کی شرکت لازمی تھی۔ وہ قریش کے مظالم سے بھاگ کر حبشہ گئے تو وہاں بھی انہوں نے صرف یہی کام کیا۔ انہیں مکہ سے نکل کر مدینہ میں امن کی زندگی نصیب ہوئی تو اپنی تمام قوت انہوں نے اسی تبلیغ دین الٰہی میں صرف کر دی۔ اُن کو ساسانی اور رومانی تہذیبوں کے بوسیدہ قصر گرا دینے کی خدمت عطا کی گئی تو شام و عراق اور ایران و روم میں بھی انہوں نے صرف یہی مقدس فرض انجام دیا۔

اُنہیں خدا نے زمین کی خلافت عطا فرمائی تو اِس سے بھی اُنہوں نے عیش پرستی نہیں کی بلکہ وہ اللہ کے دین کی اشاعت کرتے چلے گئے یہاں تک کہ ایک طرف اوقیانوس کی طوفانی موجوں نے اُنہیں روک دیا اور دوسری طرف چین کی سنگین دیوار اُن کے راستے میں حائل ہوگئی۔ وہ اپنے تجارت کے مال لے کر نکلے تو اِس میں بھی اُن کے دلوں پر یہی خواہش چھائی رہی اور اُنہوں نے افریقہ کے تپتے ہوئے ریگستانوں میں، ہندوستان کی سرسبز وادیوں میں، بحرالکاہل کے دور افتادہ جزیروں میں اور یورپ کے سپید رنگ کفر زاروں میں ملتِ حنیفی کی روشنیوں کو پھیلا دیا۔

یہ ذوقِ تبلیغ یہاں تک ترقی کر گیا تھا کہ قید خانوں کی کڑی سے کڑی مصیبتیں جھیلتے وقت بھی اُن کے دلوں سے اس کی لذت محو نہیں ہوتی تھی۔ وہ اندھیری کوٹھڑیوں میں اپنے اصحابِ سجن کو بھی اسلام کی تبلیغ کرتے تھے اور حد یہ ہے کہ دار پر بھی اُنہیں اگر کسی چیز کی تمنا ستاتی تھی تو وہ صرف یہی

[1] یہ اُس زمانے کی بات ہے جب چین پر کمیونسٹوں کا قبضہ نہ ہوا تھا۔

تھی کہ اپنے آخری لمحات زندگی کو اللہ کا پیغام اُس کے بندوں تک پہنچانے میں صرف کر دیں۔

بیلجیئن کانگو کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ جب حکومتِ بلجیئم نے وہاں کے ایک مسلمان امیر کو گرفتار کر کے سزائے موت کا حکم سنا دیا تو اُس نے دنیا سے چلتے چلتے خود اُس پادری کو بھی مسلمان کر لیا جو اُسے مسیحیت کا پیغامِ نجات دینے گیا تھا۔

حضرت سید مجدد احمد سرہندیؒ کے متعلق کتبِ سیر میں لکھا ہے کہ جہانگیر کی قید میں دو سال کا زمانہ اُنہوں نے محض فریضۂ تبلیغ کی انجام دہی میں گزارا اور جب رہا ہوئے تو کئی سو ہندو قیدی اُن کی برکت سے دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ ہمارے موجودہ زمانے میں بھی مولانا محمد جعفر تھانیسریؒ نے، جو مجاہدینِ سرحد سے ساز باز رکھنے کے الزام میں کالے پانی بھیجے گئے تھے، انڈمان کے بہت سے قیدیوں کو مسلمان کر لیا تھا۔ مشرقی یورپ میں تو اسلام کی اشاعت تنہا ایک مسلمان عالم کی کوششوں کا نتیجہ تھی جو نصاریٰ سے جہاد کرتا ہوا گرفتار ہو گیا تھا۔ قید کی حالت میں وہ پا بہ زنجیر ڈان اور ڈینیوب کے درمیانی علاقے میں بھیج دیا گیا اور وہاں اُس کے خلوصِ قلب کی روشنی اس قدر پھیلی کہ تھوڑے عرصے میں بارہ ہزار آدمی مسلمان ہو گئے اور چھٹی صدی ہجری کے وسط میں تقریباً سارا علاقہ اسلام کی برکات سے معمور ہو گیا۔

## مسلمان خواتین میں ذوقِ تبلیغ

اس عالمگیر ذوق سے مسلمانوں کی عورتیں بھی خالی نہ تھیں۔ تاتاری مغلوں سے جن ہاتھوں نے مسلم کشی کی تلوار چھین کر اسلام کی اطاعت کا طوق پہنایا تھا وہ اُنہی ضعیف اور نازک عورتوں کے ہاتھ تھے جنہیں یہ لوگ ممالک اسلامیہ سے لونڈیاں بنا کر لے گئے تھے۔ غازان شاہ کے بھائی اولجاتیو خاں کو اُس کی بیوی ہی نے مسلمان کیا تھا اور اسی کی بدولت ایلخانی حکومت ایک اسلامی حکومت بن گئی تھی۔ چغتائی خاندان مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن تھا مگر قُرّہ، ہلاکو خاں کی مسلمان بیوی، نے اُسے سب سے پہلے اسلام سے متعارف کیا اور اُسی کے اثر سے مبارک شاہ اور بُرّاق خاں مسلمان ہوئے۔ تاتاری فوجوں کے ہزار ہا سپاہی اپنے ساتھ مسلمان عورتوں کو لے

گئے تھے۔ اُنہوں نے اپنے مذہب کو چھوڑ کر اپنے کافر شوہروں کا مذہب اختیار کرنے کے بجائے اُنہیں، اور زیادہ تر اُن کے بچوں کو مسلمان کرلیا اور اُنہی کی بدولت تمام بلاد تاتار میں اسلام پھیل گیا۔ اسی طرح ملک حبش میں بھی خواتین ہی نے اشاعت اسلام کا کام کیا ہے۔ چنانچہ متعدد ایسے حبشی رئیسوں کا تذکرہ تواریخ میں مذکور ہے جنہیں اُن کی مسلمان بیویوں نے اسلام کا حلقہ بگوش بنا لیا تھا۔ سنوسی مبلغین نے تو وسطِ افریقہ میں مستقل طور پر اشاعت اسلام کے لیے خواتین کے اداروں سے کام لیا ہے۔ چنانچہ وہاں سینکڑوں زنانہ مدارس قائم ہیں جن میں لڑکیوں کو اسلامی تعلیم دی جاتی ہے۔

## صوفیائے کرامؒ کی خدمات، ہندوستان میں

مگر مسلمانوں میں جو جماعت سب سے زیادہ تبلیغِ دین الٰہی کے ذوق وشوق سے گرمِ سعی رہی ہے وہ وہی صوفیائے کرام کی جماعت ہے جو آج ہندوستان میں اس طرف سے تقریباً بالکل ہی غافل ہے۔ خود ہندوستان میں اولیاء وصوفیاء نے جس بے نظیر استقلال اور دینی شغف کے ساتھ اسلام کی روشنیوں کو پھیلایا ہے، وہ ہمارے آج کل کے حضرات متصوفین کے لیے اپنے اندر ایک عمیق درسِ بصیرت رکھتا ہے۔ یہاں کے سب سے بڑے اسلامی مبلغ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ تھے جن کی برکت سے راجپوتانہ میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور جن کے بالواسطہ اور بلا واسطہ مریدین تمام اَقطاعِ ملک میں اسلام کی شمع ہدایت لے کر پھیل گئے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے دہلی کے اطراف میں، حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے علاقہ پنجاب میں، حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ نے دہلی اور اُس کے نواح میں، حضرت سید محمد گیسودرازؒ، حضرت شیخ برھان الدینؒ اور حضرت شیخ زین الدینؒ اور آخر زمانہ میں (اورنگ آباد کے) حضرت نظام الدین نے ملک دکن میں اور دورِ آخر میں حضرت شاہ کلیم اللہؒ جہان آبادی نے دہلیٔ مرحوم میں یہی دعوتِ الی الخیر اور تبلیغ اوامر اسلام کی خدمت انجام دی۔ ان کے علاوہ دوسرے سلسلوں کے اولیائے عظام نے بھی اس کام میں انتھک مستعدی سے کام لیا۔ پنجاب میں سب سے پہلے اسلامی

مبلغ حضرت سید اسمٰعیل بخاریؒ تھے جو پانچویں صدی ہجری میں لاہور تشریف لائے تھے۔ اُن کے متعلق مشہور ہے کہ لوگ ہزار ہا کی تعداد میں اُن کے ارشادات سننے آتے تھے اور کوئی شخص جو ایک مرتبہ اُن کا وعظ سن لیتا وہ اسلام لائے بغیر نہ رہتا۔ مغربی پنجاب میں اسلام کی اشاعت کا فخر سب سے زیادہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کو حاصل ہے۔ علاقہ بہاولپور اور مشرقی سندھ میں حضرت سید جلال بخاریؒ کے فیضانِ تعلیم سے معرفتِ حق کی روشنی پھیلی اور اُن کی اولاد میں سے حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے پنجاب کے بیسیوں قبائل کو مسلمان کیا۔ ایک اور بزرگ حضرت سید صدرالدینؒ اور اُن کے صاحبزادے حضرت حسن کبیر الدینؒ پنجاب کے بہت بڑے اسلامی مبلغ تھے۔ حضرت حسن کبیر الدینؒ کے متعلق تواریخ میں لکھا ہے کہ اُن کی شخصیت میں عجیب کشش تھی۔ محض اُن کے دیکھ لینے سے دل پر اسلام کی عظمت وصداقت کا نقش مُرتسم ہوجاتا تھا اور لوگ خود بخود اُن کے گرد جمع ہوجاتے تھے۔

سندھ میں اشاعت اسلام کا اصلی زمانہ وہ ہے جب حکومت کا دور ختم ہو چکا تھا۔ آج سے تقریباً چھ سو برس پہلے حضرت سید یوسف الدینؒ وہاں تشریف لائے اور اُن کے فیضِ اثر سے لوہانہ ذات کے سات سو خاندانوں نے اسلام قبول کرلیا۔ کچھ اور گجرات میں حضرت امام شاہ پیرانویؒ اور ملک عبداللطیفؒ کی مساعی سے اسلام کی اشاعت ہوئی۔ بنگال میں سب سے پہلے شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے اس مقدس فرض کو انجام دیا جو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مریدانِ خاص میں سے تھے۔ آسام میں اس نعمت عظمیٰ کو حضرت شیخ جلال الدین فارسیؒ اپنے ساتھ لے گئے جو سلہٹ میں مدفون ہیں۔ کشمیر میں اسلام کا علم سب سے پہلے بلبل شاہؒ نامی ایک درویش نے بلند کیا تھا اور اُن کے فیضِ صحبت سے خود راجہ مسلمان ہوگیا جو تاریخوں میں صدرالدین کے نام سے مشہور ہے۔ پھر ساتویں صدی ہجری میں سید علی ہمدانیؒ سات سو سیدوں کے ساتھ یہاں تشریف لائے اور تمام خطۂ کشمیر میں اس مقدس جماعت نے نورِ عرفان کو پھیلایا۔ عالمگیر کے عہد میں سید شاہ فریدالدینؒ نے کشتواڑ کے راجہ کو مسلمان کیا اور اُس کے ذریعہ علاقۂ مذکور میں اسلام کی

اشاعت ہوئی۔ دکن میں اسلام کی ابتدا پیر مہابیر کھمدایت سے ہوئی جو آج سے سات سے برس پہلے بیجاپور تشریف لائے تھے۔ ایک اور بزرگ جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے تھے علاقہ کونکن (Konkan) کے ہادی اور رہبر تھے۔ دھارواڑ کے لوگ اپنے اسلام کو حضرت شیخ ہاشم گجراتیؒ کی طرف منسوب کرتے ہیں جو ابراہیم عادل شاہ کے پیر طریقت تھے۔ ناسک میں حضرت محمد صادق سرمستؒ اور خواجہ اخوند میر حسینیؒ کی برکاتِ روحانی کا اب تک اعتراف کیا جاتا ہے۔ مدراس بھی اپنی ہدایت کے لیے چند صاحبِ حال بزرگوں کا رہن منت ہے جس میں سب سے زیادہ مشہور سید نثار شاہؒ مدفون ترچناپلی ہیں۔ دوسرے بزرگ سید ابراہیم شہیدؒ ہیں جن کا مزار ارداری میں ہے اور تیسرے بزرگ شاہ الحامدؒ ہیں جن کا مدفن ناگور میں واقع ہے۔ نیوگنڈا کی طرف اسلامی آبادی عام طور پر اپنے اسلام کو حضرت بابا فخرالدینؒ کی طرف منسوب کرتی ہے جنھوں نے وہاں کے راجہ کو مسلمان کیا تھا۔

حضرات صوفیائے کرام کی انہی تبلیغی سرگرمیوں کا اثر آج تک ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہندوؤں کی ایک بہت بڑی جماعت اگرچہ مسلمان نہ ہوسکی مگر اب تک اسلامی پیشواؤں کی گرویدہ ہے۔ چنانچہ 1891ء کی مردم شماری میں صوبۂ شمال مغربی (موجودہ صوبہ متحدہ) کے 23,23,643 ہندوؤں نے اپنے آپ کو کسی خاص دیوتا کا پرستار بتلانے کے بجائے کسی نہ کسی مسلمان پیر کا پجاری ظاہر کیا تھا۔ افسوس کہ وہ لوگ ہندوؤں کی ایک کثیر آبادی پر اسلام کا غیر معمولی اثر چھوڑ گئے مگر آج ہم اُس اثر سے بھی فائدہ اٹھانے کے قابل نہیں ہیں۔

## ہندوستان سے باہر

ہندوستان سے باہر بعض دوسرے ممالک میں بھی اِس مقدس تبلیغی جماعت کی سرگرمیوں نے حیرت انگیز نتائج پیدا کیے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ قرونِ متوسط کی تاریخ میں تو یہ واقعہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جب فتنۂ تاتار نے اسلامی حکومت کے قصر فلک بوس کی اینٹ سے اینٹ بجادی تو تمام وسطِ ایشیا میں صرف ایک صوفیائے اسلام کی روحانی قوت تھی جو اُس کے

مقابلے کے لیے باقی رہ گئی تھی اور بالآخر اسی نے اسلام کے اس سب سے بڑے دشمن پر فتح حاصل کی۔ لیکن مسلمانوں کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ یہ زبردست قوت بھی جس نے اقطاعِ عالم میں اسلام کی روشنی پھیلائی اور تاتار کے زبردست فتنے تک کو اس کے لیے مسخر کر دیا جو قریب تھا کہ وسط ایشیا سے اس کو بالکل فنا کر دیتا، آج بالکل مضمحل ہوگئی ہے اور اگر ہمارے محترم حضرات متصوفین ہمیں معاف کریں تو ہمیں اس امر واقعی کے اظہار میں کچھ تامل نہیں ہے کہ اب وہ اسلام کی برکات و فیوض سے دنیا کو معمور کرنے کے بجائے بہت حد تک خود ہی غیر اسلامی مفاسد سے مغلوب ہو کر رہ گئے ہیں۔

## افریقہ میں

موجودہ عہد میں (تقریباً ایک صدی پہلے) یہ قوت صرف افریقہ میں زندہ ہے اور تبلیغ دین الٰہی کے سلسلے میں اس کی عظیم الشان کامیابیاں ہمارے ملک کے صوفیائے کرام کے لیے سرمایۂ عبرت و بصیرت ہیں۔

ان صوفی جماعتوں میں ایک ''جماعتِ امیر غنیّہ'' ہے جس کے بانی محمد عثمان الامیر غنی نے 1835ء سے 1853ء تک مشرقی سوڈان کے مسلمانوں کی دینی اصلاح کی اور اطراف میں بیسیوں بت پرست قبائل کو مسلمان کر لیا۔

دوسری جماعت قادریہ ہے۔ مغربی افریقہ میں اس سلسلے کے لوگ نویں صدی ہجری سے موجود ہیں۔ انیسویں صدی کی ابتدا میں اُن کے اندر بھی ایک نئی زندگی پیدا ہوئی اور انہوں نے مغربی سوڈان سے لے کر ٹمبکٹو اور سینگال تک اپنے حلقے قائم کر لیے۔ خصوصیت کے ساتھ نانگا، ٹیمبو اور مسارڈو میں اُنہوں نے بہت بڑے حلقے قائم کر لیے اور نہایت کثرت سے بت پرست قبائل میں اسلام کی اشاعت شروع کر دی۔ ان کا اصول یہ ہے کہ جب کسی آبادی میں اسلام کی اشاعت کر چکتے ہیں تو وہاں کے ذہین اور صاحبِ استعداد لڑکوں کو اپنے مرکزی حلقوں میں تعلیم کے لیے بھیج دیتے ہیں۔ یا اگر اُن میں زیادہ صلاحیت دیکھتے ہیں تو علوم دینی کی تکمیل کے لیے

قیروان، فاس، طرابلس یا الازہر (مصر) بھیج دیتے ہیں اور پھر واپسی پر اُنہی کو اپنی بستیوں میں تبلیغ وتعلیم کے لیے مقرر کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے نہایت کثرت سے اندرونِ افریقہ میں مدارس قائم کر رکھے ہیں اور اُن میں صحیح اصولوں پر وحشی قبائل کے لڑکوں کی تربیت کرتے ہیں۔

ایک اور سلسلہ ''تیجانیہ'' کے نام سے مشہور ہے جو سب سے پہلے الجزائر میں قائم کیا گیا ہے۔ اس کے اصولِ تبلیغ تقریباً وہی ہیں جو سلسلۂ قادریہ کے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ وہ تبلیغ کے ساتھ جہاد بھی کرتا ہے اور اِس لیے عیسائی مشنریوں کو اس کے خلاف یورپی استعمار سے مدد حاصل کرنے کا اچھا خاصا بہانہ ہاتھ آجاتا ہے۔ اس کا حلقۂ اثر شمالی افریقہ کا مغربی حصہ ہے اور اس کا سب سے زیادہ سرگرم داعی الحاج عمر تھا جو اپنے زہد وتقویٰ کے لیے افریقہ سے حجاز تک شہرت رکھتا تھا۔ اُس نے 1833ء میں تبلیغ کا کام شروع کیا اور بالائی نائیجیریا اور سینگال تک کے بت پرست قبائل کو مسلمان کر کے ایک زبردست سلطنت قائم کر لی، جسے آخر میں فرانسیسی استعمار نے پیوندِ خاک کر دیا۔

ان تمام جماعتوں میں سب سے زیادہ زبردست سنّوسی جماعت ہے۔ 1833ء میں الجزائر کے ایک مشہور عالم سیدی محمد بن علی السنوسی نے طریقۂ سنوسیہ کی ابتدا کی، جس کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح، فرنگی استعمار کی مُدافعت اور اسلام کی اشاعت تھا۔ بائیس سال کے عرصے میں اُنہوں نے ایک ایسی زبردست جماعت تیار کر لی جس کا نظام سلطنتوں کے نظام سے زیادہ مکمل تھا۔ جس کا ہر شخص جماعتی مقاصد کی لگن میں ڈوبا ہوا تھا اور جس کے ہر رکن کو خالص اسلامی تربیت دے کر سچا مسلمان بنا دیا گیا تھا۔ اس میں قرآن مجید کے لفظ لفظ پر عمل کرنا پہلی شرط ہے۔ اولیاء کی پرستش، مزارات کی زیارت، کافی اور تمباکو کا استعمال، یہودیوں اور عیسائیوں سے تعلقات سب ممنوع ہیں اور ہر شخص ایک سچے مجاہد کی سی زندگی بسر کرتا ہے۔ مصر سے لے کر مراکش تک اور ساحلِ طرابلس سے لے کر صحرائے افریقہ کے آخری کونوں تک اس کی خانقاہیں قائم ہیں اور افریقہ کے علاوہ عرب، عراق اور جزائر ملایا تک اس کا اثر پھیلا ہوا ہے۔ اس کی تبلیغی کوششوں نے افریقہ کے اُن تمام قبائل کو صحیح معنوں میں مسلمان بنا دیا ہے جو صرف برائے نام مسلمان رہ گئے تھے اور گالا،

ٹبسٹی اور بورکو کے علاقوں تک اسلام کی ایک نئی روح پھونک دی ہے۔ قادریہ سلسلہ کے لوگوں کی طرح، اُن کے ہاں بھی صرف وعظ وتلقین نہیں ہے بلکہ یہ مسلمان بنانے کے بعد نومسلموں کو عملی تربیت بھی دیتے ہیں تاکہ خود اپنے ہم جنسوں کو اسلام کی دعوت دے سکیں۔

ان افریقی جماعتوں نے وحشی قبائل میں جو عجیب زندگی پیدا کردی ہے اُس کے متعلق ایک یورپی سیاح (جوزف ٹامسن) لکھتا ہے:

''دریائے نائجیر یا کے کنارے کنارے جب، میں وسط افریقہ کی طرف روانہ ہوا تو پہلے دو سو میل تک مجھے اپنے خیالات کو بدلنے کی ضرورت نہیں ہوئی جو میں افریقہ وحشت و بربریت اور مردم خوری کے متعلق رکھتا تھا مگر جب میں وسط سوڈان کے قریب پہنچ گیا تو مجھے قبائل کی زندگی میں ایسے ترقی پذیر آثار نظر آنے لگے جنہیں دیکھ کر میری رائے بدلنے لگی۔ میں نے دیکھا کہ وہاں مردم خوری کا کوئی وجود نہیں ہے۔ بت پرستی کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ شراب خوری وغیرہ کی عادات زائل ہو چکی ہیں۔ تمام قبائل کپڑے پہنتے ہیں اور لباس میں نفاست، پاکیزگی اور معاشرت میں تہذیب موجود ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا اخلاقی درجہ اپنے ہم جنس قبائل سے بہت بالاتر ہے۔ ہر چیز ترقی کرتی نظر آرہی ہے۔ حبشی فطرت کسی بلند تر فطرت سے بدل رہی ہے اور یہ سب کچھ اسلام کے طفیل ہے۔ ''لُوکوجا'' سے گزرنے کے بعد میں اسلامی تبلیغ کے اصلی مرکز میں پہنچا اور وہاں میں نے ایک اعلیٰ درجہ کی منظم حکومت کا کارفرما پایا۔ ہر طرف آبادی میں تمدن کے آثار موجود تھے۔ تجارت اور صنعت وحرفت کی گرم بازاری تھی اور مجھے محسوس ہوتا تھا کہ میں ایک مہذب ملک میں ہوں۔''

چوتھا باب

# اشاعتِ اسلام افریقہ میں

ہم بار بار عرض کر چکے ہیں کہ مسلمانوں میں کبھی باقاعدہ مشنری سوسائٹیوں کا وجود نہیں رہا ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اُن کے مذہب نے خدمت دین کو کسی خاص طبقے تک محدود نہیں رکھا بلکہ ہر مسلمان پر یکساں فرض کیا ہے کہ وہ بشرطِ امکان اپنی تمام قوتیں دین کی خدمت میں صرف کر دیں۔ جس طرح عیسائیوں میں ایک خاص جماعت کے سوا نہ کوئی جماعت مذہبی امور میں حصہ لیتی ہے اور نہ مذہبی شغف رکھتی ہے اسی طرح اگر مسلمانوں میں بھی کوئی مذہبی طبقہ قائم کر دیا جاتا تو بہت ممکن ہے کہ اُن میں بھی اپنے مذہب کی اشاعت کا ذوق صرف ایک مختصر سی جماعت تک محدود رہتا اور عام مسلمان اس سے بے بہرہ رہتے۔

لیکن اس جمہوری مذہب کے لیے جو فضیلت کا معیار صرف اعمال حسنہ کو قرار دیتا ہے، یہ بہت مشکل تھا کہ وہ برکت وسعادت میں بھی یہی تعمیم (عمومیت) نہ برتتا۔ چنانچہ دنیا میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کے پیروؤں میں اپنے مذہب کی تبلیغ کا ذوق سب سے زیادہ پایا جاتا ہے اور جس کا ہر فرد ایک مبلغ کی حیثیت رکھتا ہے۔

ہم گزشتہ صفحات میں اس ذوقِ تبلیغ کی جہانگیری وعمومیت پر بحث کر چکے ہیں۔ اب ضرورت ہے کہ اس مسئلے پر روشنی ڈالی جائے کہ اس ذوقِ عمیم نے کس طرح ملکوں کو فتح کیا ہے اور وہ کون لوگ تھے جن کے ہاتھوں اسلام کو اس قدر عالمگیر وسعت حاصل ہوئی ہے۔ ہندوستان، ایران اور عرب ومصر وغیرہ ممالک کو جانے دیجیے کہ یہاں مسلمانوں کو حکومت بھی حاصل ہوئی ہے اور اس لیے مخالفین یہ کہہ سکتے ہیں کہ بہت ممکن ہے کہ ان ممالک میں اشاعت اسلام تلوار کی رہن منت

ہو۔ ہمیں افریقہ، چین اور جزائر ملایا کو لینا چاہیے جہاں تمام مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام کو کبھی تلوار استعمال کرنے کا موقع نہیں ملا اور اس سے زیادہ ممالک تاتار و ترکستان کو لینا چاہیے، جہاں تاریخ کا صریح فتویٰ یہ ہے کہ غیر مسلح اسلام نے مسلح کفر کا مقابلہ کر کے اسے شکست دی ہے۔ ان مثالوں سے ہم قارئین کرام کو یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ مذہبی شغف رکھنے والے مسلمانوں نے اس دین مقدس کی کس طرح خدمت کی ہے اور گرہم بھی اسی طرح مذہبی جذبے سے متحرک ہوجائیں تو کس طرح تبلیغ وحفاظت اسلام کے ان مسائل کو حل کر سکتے ہیں جن کے لیے کانفرنسوں پر کانفرنسیں منعقد کی جارہی ہیں۔ اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے افریقہ سے بحث کریں گے۔

## افریقہ میں آفتابِ اسلام کا طلوع

مغربی سوڈان میں اسلام کی اشاعت سب سے پہلے اُن نومسلم بربروں نے کی جو تجارت کے سلسلے میں وہاں آتے جاتے تھے۔ ان بربری قبائل میں لمطونہ اور جدالہ نامی دو قبیلوں نے یوسفؒ بن تاشفین کے عہد میں تقریباً تمام مغربی سوڈان کو اسلام کی روشنیوں سے منور کر دیا تھا۔ پانچویں صدی ہجری میں انہی بربری تاجروں نے گھانا (Ghana) کی حبشی ریاست کو مسلمان کر لیا اور اُس کے بعد سوڈان کی قدیم ترین ریاست سونغائی (Songhay) بھی اُن کے ہاتھوں مسلمان ہوگئی۔ چھٹی صدی ہجری میں ان کے اثرات دور دور تک پہنچ گئے اور اس کے بعد ٹمبکٹو کا مشہور تجارتی شہر اشاعتِ اسلام کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ حبشی لوگ تجارت کے سلسلے میں یہاں آتے تھے اور بربری تاجروں سے اسلام کی متاع گراں بہا لے کر تمام سوڈان اور نائجیر یا میں پھیل جاتے تھے۔ ان لوگوں میں مذہبی شغف اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ ابن بطوطہ[1] جب وہاں پہنچا تو اس کے متعلق لکھتا ہے کہ:

---

[1] ابن بطوطہ (1304ء–1378ء) مشہور و معروف مسلم سیاح۔ پیدائش طنجہ (مراکش)۔ 1325ء میں 21 سال کی عمر میں حج کے ارادے سے نکلا اور دنیا کی سیاحت کے لیے اپنے طویل سفر پر روانہ ہوا۔ 29 سال تک مختلف براعظموں میں گھوما پھرا اور بے شمار ملکوں کی سیاحت کی۔ وہاں کے حالات کا دقتِ نظر سے مشاہدہ اور مطالعہ کیا اور ان کو صحت و دیانت کے ساتھ قلم بند کر دیا۔ (جاری ہے۔۔۔

''یہ لوگ قرآن کے عاشق ہیں اور نماز کی پابندی کا یہ عالم ہے کہ جمعہ کے دن اگر سویرے سے جا کر مسجد میں نہ بیٹھ جاؤ تو جگہ ملنی محال ہو جاتی ہے۔''

اِن نومسلم قوموں میں اسلام کی سب سے زیادہ سرگرم مبلغ مانڈ گو قوم تھی جو تمام افریقہ میں اپنی عادات و خصائل کے اعتبار سے نہایت ممتاز قوم ہے۔ اِس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ہاؤسا قوم نے اِسی کی کوششوں سے اسلام قبول کیا اور ہاؤسا قوم وہ ہے جو وسطی بالائی افریقہ میں نہایت ذہین، مستعد اور تجارتی قوم شمار ہوتی ہے۔[1] تقریباً تمام سوڈان اور نائیجیریا کی تجارت پر قابض ہے اور گیانا سے لے کر قاہرہ تک اِس کے تجارتی کاروان آتے جاتے ہیں۔ اشاعت اسلام کے لیے اس تجارتی قوم کی زبردست کوششوں کا ذکر آگے آتا ہے۔

مشرقی سوڈان میں اسلام کی اشاعت مصری تاجروں نے کی اور خصوصیت کے ساتھ جب مصر کی فاطمی خلافت کا خاتمہ ہوا تو بہت سے عرب بھاگ کر سوڈان کے علاقے میں پہنچ گئے اور اُنہوں نے اس علاقے میں دور دور اسلام کو پھیلا دیا۔ اس علاقے میں تُونِس اور طَنجہ کے عرب تاجروں نے بھی اس فریضۂ مقدس کو انجام دیا ہے اور خصوصاً جنوب مغربی سوڈان اس سعادتِ عظمیٰ کے لیے اُنہی کا منت کشِ احسان ہے۔ بعد میں احمد نامی ایک عرب نے ''دارفُور'' میں اسلامی حکومت بھی قائم کر دی جسے کئی سو برس بعد محمد علی پاشا نے اپنی حکومت میں جذب کر لیا۔

---

(گذشتہ سے پیوستہ) 1320ء میں دوسرا حج کر کے یمن کی سیاحت کرتے ہوئے مشرقی افریقہ کے ممالک میں پہنچا۔ (بشمول سوڈان) 1333ء میں سندھ کے راستے ہندوستان میں داخل ہوا۔ دہلی میں سلطان محمد تغلق سے ملا جس نے اسے قاضی مقرر کر دیا۔ ہندوستان کے 8 سالہ قیام میں مختلف علاقے دیکھے اور یہاں کے مفصل حالات لکھے۔ 1345ء میں سماٹرا کی سیاحت کی اور وہاں سے چین پہنچا۔ اس کی کتاب "تحفۃ النُّظّار فی غَرائبِ الاَمصارِ و عَجائبِ الاَسفار" جو مختصراً ''رحلہ ابن بطوطہ'' کے نام سے مشہور ہے چودھویں صدی عیسوی کے سیاسی اور تمدنی حالات کا بہترین اور معتبر ریکارڈ تصور کی جاتی ہے۔ اس کا ترجمہ فرانسیسی، انگریزی اور جرمنی میں ہو چکا ہے۔

[1] ھاؤسا قوم کی مناسبت سے آج کل ہاؤسا زبان کی حیثیت سے معروف ہے جو نائیجیریا، نائجر اور چاڈ کے مسلمان قبائل کی زبان ہے۔ صرف نائیجیریا میں اس کے بولنے والوں کی تعداد چھ کروڑ سے متجاوز ہے۔ نائجر اور چاڈ میں یہ تعداد ساڑھے سینتیس لاکھ تک پہنچتی ہے

## اٹھارویں صدی کے اواخر میں۔۔۔

اٹھارویں صدی کے اواخر میں بالائی افریقہ کے مسلمانوں میں ایک نئی تبلیغی روح پیدا ہوئی جس کی ابتدا شیخ عثمان دانفودیو سے ہوتی ہے۔ اِس شخص نے عبدالوہاب نجدی کی تعلیمات سے متاثر ہوکر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی مردہ سنت میں دوبارہ جان ڈال دی۔ خصوصیت کے ساتھ فُلبی (Fulbe) قوم میں اس نے کچھ ایسا اسلامی جوش بھر دیا کہ وہ اسلام کی خدمت کے لیے سربکف کھڑی ہوگئی اور ''گوبر'' (Gober) کی قدیم ریاست میں بت پرستی کا خاتمہ کر کے تمام ہاؤسا لینڈ کو کفر وشرک کی نجاستوں سے پاک کر دیا۔ 1816ء میں جب عثمان دانفودیو کا انتقال ہوا تو وہ ممالک ہاؤسا کا کامل خودمختار بادشاہ تھا اور اُس کی وسیع قلمرو میں کہیں بت پرستی کا نام ونشان تک باقی نہ تھا۔ 1900ء میں انگریزوں نے اس اسلامی حکومت کا خاتمہ کر دیا مگر ہاؤسا اور فُلبی قوموں کے ذوقِ تبلیغ پر اس محکومی کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ چنانچہ اسی بیسویں صدی میں اُنہوں نے یوروبا کے بت پرست علاقہ کو اسلام سے روشناس کرایا ہے اور دریائے نائجر کے جنوب تک دین مبین کی اشاعت کی ہے۔ اُجیبُو کے علاقہ میں پہلی مرتبہ اُنہوں نے 1894ء میں اپنا کام شروع کیا اور چند ہی سال میں اس قدر ترقی کی کہ 1908ء میں یہ کیفیت ہوگئی کہ اس علاقے میں مشکل ہی سے کوئی قبیلہ ایسا رہ گیا ہوگا جس نے اس صدائے حق پر لبیک نہ کہی ہو۔

افریقہ کا مغربی ساحل مسلمانوں کا ایک اور تبلیغی میدان ہے۔ گیانا، سیرالیون، لائبیریا اور مینڈی[1] وغیر ساحلی علاقوں میں آج سے کوئی سوا سو برس پہلے[2] مسلمان تاجروں اور دیگر کاروباری آدمیوں نے تبلیغِ اسلام کی ابتدا کی اور تھوڑی ہی مدت میں وہاں کی وحشت کو تہذیب وتمدن سے بدل دیا اور 1802ء میں سیرالیون کی ایک انگریزی کمپنی نے دارالعوام میں ایک درخواست پیش کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

---

[1] سیرالیون سے تقریباً ایک سو میل جنوب میں ایک علاقہ

[2] یعنی اٹھارویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے آغاز میں

''یہاں سے تقریباً چالیس میل کے فاصلے پر آج سے ستر برس پہلے چند مسلمان تاجر آ کر مقیم ہوئے تھے۔ عام مسلمانوں کی طرح یہاں بھی اُنہوں نے مدرسے قائم کر کے اسلامی تعلیم دینی شروع کر دی اور اِس بات کا عہد کر لیا کہ جو شخص اسلام قبول کر لے گا اُسے غلام بنا کر نہیں بیچا جائے گا۔ تھوڑے عرصے میں یہاں تہذیب اور تمدن کے اثرات رونما ہونے لگے۔ آبادی بڑھ گئی۔ خوشحالی نے ترقی کی اور رفتہ رفتہ اِس علاقے میں اسلام کا اثر سب پر غالب آ گیا۔ لوگ فوج در فوج مسلمانوں کے مذہب میں داخل ہو رہے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب سارا علاقہ مسلمان ہو جائے گا۔''

سیرالیون ہی کے لوگوں میں جو تبلیغ اسلام ہوئی اس کے متعلق ڈاکٹر ویمر کہتا ہے کہ:

''ان لوگوں کے ہاں کوئی خاص جماعت تبلیغ دین کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ ان کا ہر فرد مبلغ ہے۔ جہاں کہیں پانچ چھ مسلمان جمع ہو جاتے ہیں وہیں ایک مسجد بن جاتی ہے اور وہ چھوٹی سی عمارت ہی اس بستی میں اشاعت اسلام کا مرکز ہوتی ہے۔ ان کے اصول بھی نہایت سادہ ہیں۔ ہر شخص جو کلمہ پڑھ کر نماز پڑھنے اور شراب سے پرہیز کرنے کا اقرار کر لیتا ہے، وہ ان کی عالمگیر برادری کا ایک رکن بن جاتا ہے۔''

(Islam and Missions P.73-74)

گیانا میں اسلام کے سرگرم مبلغ ہاؤسا قوم کے تاجر ہیں۔ ان کی دلکش معاشرت اور امتیازی شان وحشی قبائل کو اِن کے گرد کھینچ لاتی ہے اور وہ نہایت کامیابی کے ساتھ اُنہیں اپنے مذہب میں داخل کر لیتے ہیں۔ داھومی[1] اور اشانتی میں ان قوموں نے ابھی چند ہی سال سے کام شروع کیا ہے اور اس لیے تمام مغربی افریقہ میں یہی دو علاقے ایسے ہیں جہاں ابھی تک تھوڑا بہت کفر و بت پرستی کا نام و نشان باقی ہے۔ لاگوس میں مسلمانوں کا بڑا زور ہے۔ اُن کی آبادی تقریباً پندرہ ہزار تک

[1] آج کل ڈاہومی ایک مستقل جمہوری حکومت ہے۔ اس کی آبادی 16-17 لاکھ کے قریب ہے، جس میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے۔

پہنچ چکی ہے۔[1] جن میں فُلبی، ہاؤسا اور ماڈنگو تینوں قوموں کے لوگ موجود ہیں۔ اپنے کاروبار کے سلسلے میں ان لوگوں کو دور دور تک جانا پڑتا ہے اور اس لیے ان کی بدولت تمام سواحل نائجیریا اور گولڈ کوسٹ نور اسلام سے منور ہو رہا ہے۔ سینگال کے دھانہ سے لاگوس تک دو ہزار میل کے ساحل پر تقریباً ایک بستی بھی ایسی نہیں جہاں کم از کم ایک مسجد اور ایک مولوی موجود نہ ہو۔ ہر مسلمان خواہ وہ تاجر ہو یا انگلستان و فرانس و بلجیم کا ملازم، اُس کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ جس کافر و بت پرست سے ملتا ہے اُس تک قرآن کی تعلیم پہنچا دیتا ہے۔ اس زبردست ذوقِ تبلیغ نے عیسائی مشنریوں کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے۔

مشرقی افریقہ بھی عربی تاجروں ہی کے ذریعہ اسلام کی سعادت عظمیٰ سے بہرہ اندوز ہوا۔ بیسویں صدی عیسوی تک ان لوگوں نے تمام سواحل زنج کو اسلام سے روشناس کر دیا تھا اور جگہ جگہ اسلامی بستیاں قائم ہوگئی تھیں مگر اصل تبلیغی کام اس وقت شروع ہوا جب جرمنی، انگلستان اور اٹلی وغیرہ نے ان ممالک میں نو آبادیاں قائم کیں اور اندرونِ ملک تک پہنچنے کے ذرائع مکمل کر لیے۔ اس وقت نظام حکومت قائم کرنے کے لیے ان سلطنتوں کو مسلمانوں کے سوا اور کوئی جماعت نہیں مل سکتی تھی۔ چنانچہ فوج، پولیس، عدالت، تعلیمات، مالگزاری، غرض ہر محکمہ میں مسلمان بھرتی کیے گئے اور انہوں نے اندرونِ افریقہ میں پہنچ کر سب سے زیادہ سرگرمی کے ساتھ جو خدمت انجام دی وہ اسلام کی اشاعت تھی۔ بیسویں صدی کی ابتدا میں اُنہوں نے بوندی (Bondei) اور وادیگو قبائل کو تقریباً بالکل مسلمان کر لیا۔ 1905ء کے بعد وہ مغرب میں ٹانگانیکا تک اور شمال میں اوسمبارا تک اور جنوب میں نیاسا تک قرآنی تعلیمات لے کر پھیل گئے۔ 1819ء میں اوسمبارا میں ایک بھی مسلمان نہیں تھا بلکہ اُن سے نفرت کی جاتی تھی، مگر جب باقاعدہ حکومت قائم ہوئی اور

[1] یہ بیسویں صدی کے آغاز کی بات ہے۔ اب لاگوس کی آبادی 4 لاکھ کے قریب ہے۔ نائجیریا کی کل آبادی 13 کروڑ کے قریب ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک لاگوس نائجیریا کا دارالحکومت تھا۔ نیا دارالحکومت ابوجا ہے۔ نائجیریا میں مسلم آبادی کا تناسب 65 فی صد ہے۔ اس طرح مسلمانوں کی تعداد سات کروڑ سے زائد بنتی ہے۔

مسلمان افسر وہاں پہنچے تو تھوڑے ہی عرصے میں تقریباً تمام وہ لوگ مسلمان ہو گئے جو سرکاری افسروں سے کوئی واسطہ رکھتے تھے اور اکثر اُن مدارس میں اسلام پھیل گیا جہاں مسلمان مدرس مامور تھے۔ اسی طرح نیا سالینڈ میں بھی دس سال کے اندر اندر اسلام نے حیرت انگیز ترقی کی ہے اور مسیحی مبلغین معترف ہیں کہ ان ممالک میں مسلمان بن جانا انسان بن جانے کا ہم معنی ہے۔

کیپ کالونی میں اسلام کی اشاعت جزائر ملایا کے تاجروں نے کی ہے یہ لوگ حکومت ہالینڈ کے زیرِ اثر ہونے کے باعث عرصے سے یہاں مقیم ہیں اور نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے دین کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ 1819ء میں کولبُروک[1] (Colebrook) نے لکھا تھا:

''ہمارے مبلغین کی انتہائی کوششوں کے باوجود مسلمان مبلغ نہایت کثرت کے ساتھ سیاہ رنگ غلاموں اور آزاد لوگوں کو مسلمان کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ ہمارے مشنری کافی وقت اور کثیر روپیہ صرف کر کے بھی بمشکل چند آدمیوں کو عیسائی کرتے ہیں، مگر مسلمان مبلغ بغیر کسی دقت کے جمِ غفیر اکٹھا کرتے جا رہے ہیں۔''

گزشتہ پچاس ساٹھ سال سے بیرونی مسلمان بھی یہاں پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے تبلیغی کام میں ایک نئی روح پھونک دی ہے۔ اس وقت خصوصیت کے ساتھ کلیراماؤنٹ میں تبلیغ کا سب سے زیادہ زور ہے اور یتیم ولاوارث بچے نہایت کثرت کے ساتھ مسلمان ہو رہے ہیں۔

[1] Sir T.E Colebrook: "The Life Of H.T. Colebrooke". P.335 (London 1873)

پانچواں باب

# اشاعتِ اسلام چین میں

افریقہ کے بعد مسلمانوں کی تبلیغی فتوحات کا دوسرا میدان مشرقی اقصیٰ ہے۔ یہاں بھی محض تاجروں، سپاہیوں اور عام کاروباری مسلمانوں نے محض اپنے طبعی ذوق اور اسلامی جوش کی بنا پر اسلام کی اشاعت کی اور باوجود یہ کہ اُنہیں دولت وحکومت کی کبھی تائید حاصل نہ ہوسکی، بلکہ اکثر حالات میں دشمنوں کی تلوار کا مظلومانہ مقابلہ کرنا پڑا لیکن پھر بھی اُنہیں اپنے دین کی اشاعت میں اس قدر زبردست کامیابی حاصل ہوئی کہ اس وقت چین و جزائرِ ملایا میں ان کی مجموعی آبادی کسی طرح آٹھ نو کروڑ سے کم نہیں ہے۔[1]

چین میں اسلام کی ابتدا دولتِ بنواُمیہ کے عہد سے ہوتی ہے۔ اگرچہ خلفائے راشدین ہی کے مبارک زمانے میں وہ عرب تاجر، جن کی بحری تر کتازیوں نے بحرِ عرب سے لے کر بحرالکاہل تک تمام سمندروں کو چھان مارا تھا، سواحل چین پر اسلام کو لے کر پھیل گئے تھے لیکن زرد قوم سے اسلام کا باقاعدہ تعارف اس وقت ہوا جب دولت بنو امیہ کے عہد میں چینیوں سے سفارتی تعلقات بھی قائم ہوگئے۔ بعد میں جب بادشاہ سُوان سونگ (Hausan Tsung) کو ایک غاصب نے تخت سے محروم کردیا تو اُس کے بیٹے نے خلیفہ منصور عباسی سے مدد طلب کی اور اُس نے چار ہزار سپاہی اُس کی مدد کو بھیج دیے، جن کی قوت بازو کے طفیل اُس نے دوبارہ تاج وتخت حاصل کیا۔ یہ سپاہی اسلام کے اصلی مبلغ تھے۔ انہوں نے وطن واپس آنے کے بجائے چین ہی کو

[1] بیسویں صدی کے دوران میں ان ممالک پر بہت نشیب وفراز آئے ہیں اِس لیے اشاعت اسلام کا کام بھی بُری طرح متاثر ہوا۔ تاہم ایک اندازے کے مطابق موجودہ زمانے میں صرف مجمع الجزائر ملایا (یعنی انڈونیشیا اور ملیشیا) میں مسلمانوں کی تعداد 22 کروڑ تک پہنچتی ہے۔

اپنا وطن بنالیا۔ یہیں شادی بیاہ کیے اور عام چینی آبادی میں تبلیغ اسلام کا ایسا سلسلہ شروع کیا کہ چند صدیوں کے اندر کینٹن کا سارا علاقہ اسلام کی روشنی سے معمور ہوگیا۔

## اشاعت اسلام۔۔۔منزل بہ منزل

اس واقعے کے چھ سو برس بعد پھر ایک مرتبہ چین میں باہر سے اسلامی عناصر داخل ہوئے اور وہ تمام ملک میں پھیل گئے۔ یہ عرب، ایرانی اور ترکی مہاجرین تھے جو ساتویں صدی ہجری میں منگولی سیلاب سے بہہ کر یہاں چلے آئے تھے۔ ان لوگوں کی وجہ سے سوڈیڑھ سو برس کے اندر اندر چین کے اکثر اطراف میں اسلام کی اشاعت ہوگئی اور خصوصیت کے ساتھ شمالی اور مغربی چین میں پورے کے پورے علاقے مسلمان ہوگئے۔ تیرہویں صدی عیسوی میں مارکوپولو[1] کا بیان ہے کہ یُنان (Yunnan) کا صوبہ بڑی حد تک مسلمان ہو چکا ہے۔ چودھویں صدی کا ایک اور مورخ لکھتا ہے کہ تالیفو کی پوری آبادی مسلمان ہے۔ جنوبی چین کے متعلق ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ تمام شہروں میں پورے پورے محلے مسلمانوں کے موجود ہیں، جو اپنی پاکیزگی اور تہذیب کے اعتبار سے نہایت ممتاز ہیں۔ مسلمان چینی عورتوں سے شادیاں کرتے اور عام چینیوں سے نہایت عمیق تعلقات رکھتے ہیں اور اس کی بدولت اسلام بہت تیزی سے پھیل رہا ہے۔ پندرھویں صدی میں ایک مسلمان تاجر علی اکبر لکھتا ہے کہ پیکنگ میں تقریباً تیس ہزار مسلمان خاندان آباد ہیں۔ سترہویں صدی کی ابتدا میں چینی یہودیوں کی ایک بہت بڑی جماعت مسلمان ہوگئی۔ اٹھارویں صدی میں کین لُنگ نے زنگاریہ کی بغاوت فرو کر کے دس ہزار خاندانوں کو وہاں لے جا کر آباد کیا جو آس پاس کی اسلامی آبادی سے متاثر ہو کر سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ ''شیان تُنگ'' (Chantong) میں ایک قحط کے موقع پر مسلمانوں نے دس ہزار چینی بچوں کو پناہ دی اور ان سب کو مسلمان کرلیا۔ ایک اور قحط کے موقع پر کوان تنگ (Kwang tung) میں مسلمانوں کو

[1] مارکوپولو (Marco Polo 1254-1323) مشہور اطالوی سیاح مختلف ممالک کی سیاحت کی اور وہاں کے حالات لکھے۔ قرون وسطیٰ کے حالات کے بارے میں اس کا سفرنامہ اہمیت کا حامل ہے۔ 1293ء میں سماٹرا کے شمالی ساحل پر پانچ مہینے مقیم رہا۔

تقریباً دس ہزار چینی بچے مل گئے جنہیں اسلامی تربیت دے کر پالا گیا۔ اس طرح کے غیر معمولی مواقع کے علاوہ عام حالات میں بھی مسلمان اس کثرت سے اسلام کی اشاعت کرتے ہیں کہ ایک چینی مسلمان سید سلیمان کے بقول ہر سال اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد کا احصاء کرنا بہت مشکل ہے۔

موجودہ عہد[1] میں چینی مسلمانوں کے اندر تبلیغ اسلام کا خاص ذوق موجود ہے۔ تاجروں اور صناعوں کے علاوہ حکومت کے مسلمان ملازم بھی عمومیت کے ساتھ اُن حلقوں میں دین مبین کی تبلیغ کرتے ہیں جن سے اُنہیں میل جول کا موقع ملتا ہے، اور چینی فوج کے مسلمان افسر اور سپاہی بھی اس فرض سے غافل نہیں ہیں۔ کچھ عرصے سے چینی مسلمانوں نے اپنی پوزیشن کو محسوس کر کے تبلیغ اسلام کی اہمیت کو زیادہ اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ چنانچہ پہلے کانسو میں ایک تبلیغی مدرسہ قائم کیا گیا تھا اور اب تقریباً دس صوبوں میں ایسے ہی مدارس قائم ہو گئے ہیں۔ اگر چین میں باہر سے آئے ہوئے مسلمانوں کا شمار کیا جائے تو شاید اُن کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز نہ ہو مگر صرف یہی عالمگیر ذوق تبلیغ ہے جس نے اُنہیں پانچ کروڑ کی عظیم الشان تعداد تک پہنچا دیا ہے اور جس کی بدولت ایک روسی مبصر[2] واسیلف (Vasilev) یہ دیکھ کر کانپ اٹھا ہے کہ اگر اشاعت اسلام کی رفتار کا یہی حال رہا تو کچھ عجب نہیں کہ ایک وقت میں مسلمان سیاستِ مشرق اقصیٰ کا نقشہ بالکل بدل دیں گے۔[3]

---

[1] مراد ہے بیسویں صدی کے آغاز میں

[2] روسی مبصر: واسلیف (vasil'ev) کتاب: "Islam in China" (P.P3,5,14,17- Published 1867)

[3] اشتراکیت کے سیلاب کے بعد چین میں اہل اسلام پر جو مصیبت گزری ہے اس کا واضح اندازہ اُس زمانے کے اور موجودہ زمانے کے حالات کا مقابلہ کرنے سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ اشتراکی انقلاب کے وقت وہاں مسلمانوں کی تعداد پانچ کروڑ سے زائد تھی لیکن 1961ء کی سرکاری مردم شماری کے مطابق یہ تعداد کم ہو کر صرف ایک کروڑ رہ گئی تاہم موجودہ اندازوں کے مطابق اس وقت مجموعی طور پر چین میں مسلمانوں کی تعداد 10، 11 کروڑ بتائی جاتی ہے۔ اِس وقت مسلم آبادی کا بڑا صوبہ سنکیانگ (مشرقی ترکستان) ہے۔ یہ صوبہ چار حصوں میں منقسم ہے۔ دِنجی اس کا صدر مقام ہے۔ سنکیانگ کی مجموعی آبادی تقریباً پونے دو کروڑ ہے جس میں (1953ء میں) مسلمانوں کی آبادی کا تناسب 91 فی صد تھا جس کو کم کرنے کے لیے لاکھوں چینی یہاں لا کر بسائے گئے۔ اس طرح 1928ء میں مسلمانوں کا تناسب 2ء71 فی صد رہ گیا۔ لاکھوں مسلمان اب تک شہید کیے جا چکے ہیں۔ (جاری ہے)

(گزشتہ سے پیوستہ) یہ پُروسائل خطہ ہے جن پر زیادہ تر چینی قابض ہیں اور مسلمانوں کی معاشی حالت انتہائی خراب ہے۔ تاہم آزادی کی جدوجہد اب بھی جاری ہے۔ اواخر 2001ء میں افغانستان سے طالبان کی حکومت ختم ہوجانے اور امریکی بمباری کی وجہ سے ملک کی تباہی سے دوچار ہونے کے بعد اب سنکیانگ کے مسلمان اور بھی خستہ حالی اور جبروستم کا سامنا کررہے ہیں۔

QuranUrdu.com

چھٹا باب

# اشاعتِ اسلام، جزائر ملایا میں

جزائر ملایا[1] میں اسلام کے مبلغ وہ عربی اور ہندی تاجر تھے جو بحری استعمار کے میدان میں پرتگال کے قدم رکھنے سے پہلے، تمام چین اور جزائر شرق الہند کی تجارت پر قابض تھے۔ وہ اسپینیوں اور پرتگالیوں کی طرح فاتح بن کر نہیں آئے تھے اور نہ تلوار کی مدد سے اپنے مذہب کی اشاعت کرنا چاہتے تھے۔ ان کے پاس ایسی بھی کوئی قوت نہ تھی جس سے وہ بالاتر قوت بن کر رہتے۔ وہ صرف ایک ایمان کی قوت رکھتے تھے۔ ایک حق وصداقت کی متاع لے کر آئے تھے۔ انہی ہتھیاروں سے انہوں نے تمام جزائر ملایا کو فتح کیا۔ اُنہی کے بل پر اُنہوں نے حکومتوں کو تسخیر کیا اور اُنہی کی قوت سے اُنہیں یہ فروغ حاصل ہوا کہ چھ سو برس کے اندر مجمع الجزائر کی پانچ کروڑ آبادی میں سے چار کروڑ کے قریب مسلمان ہوگئی۔[2] قدیم بت پرستانہ توہمات نے اُنہیں قدم قدم پر روکا۔ ہسپانیہ اور پرتگال کی استعماری ہَوَسنا کی بار بار اُن پر تلوار سونت کر کھڑی ہوگئی اور

---

[1] مراد ہیں جزائر شرق الہند، جو اب انڈونیشیا اور ملیشیا کہلاتے ہیں۔ انڈونیشیا کی فیڈریشن میں جاوا، سُماٹرا، بورنیو (کالی منٹن)، سلیبس (سُلادیسی)، مغربی نیوگنی (ویسٹ ایریاں) اور ہزاروں چھوٹے چھوٹے جزیرے شامل ہیں اور فیڈریشن آف ملیشیا، ملایا کی گیارہ ریاستوں اور برطانوی شمالی بورنیو (صباح) اور سارواک پر مشتمل ہے۔

[2] مارکوپولو، جس نے 1292ء میں سُماٹرا کے شمالی ساحل پر پانچ مہینے قیام کیا تھا، لکھتا ہے کہ: ''یہاں کے سب باشندے بت پرست تھے لیکن پرلاک کی ریاست میں، جو سماٹرا کے شمال مشرقی گوشے میں واقع ہے، صرف شہروں کے لوگ مسلمان تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس ریاست میں مسلمان سوداگروں کی آمد و رفت اس کثرت سے ہے کہ انہوں نے اس دیس کے لوگوں کو مسلمان کر لیا ہے۔ لیکن پہاڑی لوگ سب بت پرست اور آدم خور تھے۔'' (بحوالہ ''دعوت اسلام'' صفحہ 353، مترجم: ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ مرحوم) (نوٹ: سُماٹرا دنیا کا چھٹا بڑا جزیرہ ہے۔ اس کی کل آبادی 3½ کروڑ سے زائد ہے۔)

ہالینڈ[1] کی مسیحی قوت نے اُن کی ہمت شکنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا مگر کوئی چیز اُن کے جذبۂ خدمتِ دین پر غالب نہ آسکی اور اُنہوں نے اپنی ذہانت، مستعدی، استقلال اور دولت کو اپنی شان وشوکت بڑھانے کے بجائے اپنے مذہب کی قوت بڑھانے میں صرف کر دیا۔ ان کوششوں سے گزشتہ چھ صدیوں کے اندر جزائر ملایا میں جس طرح اسلام کی اشاعت ہوئی ہے، اس کی داستان نہایت سبق آموز ہے۔

## سُماٹرا (Sumatra)

سماٹرا میں اسلام کی ابتدا اَتجہ (Atjeh) سے ہوئی جہاں ایک بزرگ عبداللہ عارف نے سب سے پہلے صدائے حق بلند کی اور اس کے بعد ان کے مرید برہان الدین نے پریامان تک تمام مغربی ساحل کو اسلام سے روشناس کرا دیا۔ 1205ء میں پوری ریاست اتجہ نے اسلام قبول کر لیا اور خود راجہ بھی مسلمان ہو گیا جس کو ''جہاں شاہ'' کا لقب دیا گیا۔ یہاں سے سواحل کی تجارتی کشتیوں پر اسلام شمالی سماٹرا میں پہنچا۔ پرلاک اور پُسوری میں مسلمانوں کی تجارتی نوآبادیاں قائم ہوئیں۔ چودھویں صدی عیسوی میں مکہ کے چند علماء شیخ اسماعیل کی سرکردگی میں سماٹرا پہنچے اور انہوں نے لمبری سے آرُو تک تمام ساحلی علاقے کو نورِ اسلام سے منور کر دیا۔ آخر سَمُدرا کا راجہ مسلمان ہو گیا جس کو ''الملک الصالح'' کا لقب دیا گیا، اور اُس کی کوششوں سے پرلاک ریاست بھی مسلمان ہو گئی۔ ابن بطوبہ 1345ء میں اپنی سیاحت کے دوران جب یہاں پہنچا تو ''الملک الصالح'' کا بیٹا ''الملک الظاہر'' حکمران تھا اور سلطان محمد تغلق سے اس کے سفارتی تعلقات تھے۔

پالمبانگ (Palembang) میں ہندو مذہب کا اثر سب سے زیادہ قوی تھا۔ پندرہویں صدی کے وسط میں راڈن رحمت نے جو جاوا کا سب سے بڑا اسلامی مبلغ تھا یہاں اسلام کی اشاعت کی اور اس کے بعد بھی اسلام کا اثر پھیلتا رہا۔ مگر اس علاقے کو صحیح معنوں میں اسلام کی

[1] ملیشیا یکم فروری 1948ء کو برطانوی تسلط سے آزاد ہوا اور انڈونیشیا کو ہالینڈ کی طویل غلامی سے نجات 17 اگست 1950ء کو حاصل ہوئی۔

نعمت اُس وقت میسر ہوئی ہے جب یہاں ہالینڈ کی حکومت قائم ہونے کے بعد مسلمانوں نے عیسائی مشنریوں کے مقابلے میں انتھک کوششیں شروع کی ہیں۔ چنانچہ بیسوی صدی کی ابتدا سے یہاں کی بت پرست آبادی نہایت کثرت کے ساتھ اسلام قبول کر رہی ہے۔

جنوبی سُماٹرا میں اسلام کی اشاعت سب سے آخر میں ہوئی۔ یہاں اسلام کا پہلا داعی ایک جاوی سردار منگ کمالا بومی تھا جس نے بنٹام میں اسلام قبول کیا، مکہ جا کر علوم اسلامیہ کی تحصیل کی اور لمپانگ میں نہایت کثرت سے بت پرست قبائل کو مسلمان کیا۔ اب تمام جزیرہ سماٹرا میں صرف ایک بٹک ایسا مقام رہ گیا ہے جہاں قدیم بت پرستی کا اثر ہے۔ اس علاقے نے اُس زمانے میں تو اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار نہیں کی جب کہ وہ ہر طرف سے طاقت ور اسلامی ریاستوں کے درمیان گھِرا ہوا تھا مگر اب ہالینڈ کی سخت گیر مسلم کش حکومت قائم ہونے کے بعد وہ اسلام کی اطاعت قبول کر رہا ہے۔ ہالینڈ نے تلوار کی قوت سے اسلام کی اشاعت کو روکنے کی کوشش کی مگر اس سے مسلمانوں کا جوشِ تبلیغ بہت زیادہ تیز ہو گیا اور اُنہوں نے مسیحی مبلغین کو شکست فاش دی۔ چنانچہ خود ایک مشنری کا بیان ہے کہ ایک موقع پر (بٹک کے) پورے دو گاؤں جو بپتسمہ لے چکے تھے، دفعتاً مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح ایک اور جگہ صرف ایک امام مسجد کی کوشش سے سیپروک (Sipirok) کا پورا ضلع مسلمان ہو گیا۔ ایک اور مبلغ کے متعلق عیسائی مشنریوں کا بیان ہے کہ اُس نے دس سال کے عرصے میں بت پرستوں کے ایک قبیلہ کو عیسائیت کے اثر سے نکال لیا۔ سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ خود حکومت ہالینڈ کے سرکاری ملازم بھی تبلیغِ اسلام کا کام کرتے ہیں اور حکومت اس کام کی مخالف ہونے کے باوجود اُنہیں روکنے میں کامیاب نہیں ہوئی۔

## جزیرہ نمائے ملایا

جزیرۂ سماٹرا سے اسلام کا اثر جزیرہ نمائے ملایا میں پہنچا۔ بارہویں صدی عیسوی میں سماٹرا کے بہت سے مسلمان تجارت کی غرض سے سِنگاپور میں جا کر آباد ہوئے اور ایک صدی بعد انہوں نے مَلکّا کی بندرگاہ میں اپنی نو آبادی قائم کی۔ ان کی کوششوں سے سَواحِل کی اکثر تجارتی آبادی

مسلمان ہوگئی اوران کے ذریعہ اندرونِ ملایا اسلام کی اشاعت ہوئی۔ چودھویں صدی عیسوی میں یہاں کا راجہ بھی ایک عرب تاجر سید عبدالعزیز کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا اور اُس کا نام سلطان محمد شاہ رکھا گیا۔ سولہویں صدی کی ابتدا میں ملایا کی جنوبی ریاست کویڈا (Queda) بھی اسلام کے اثر میں آگئی اور 1501ء میں وہاں کے راجہ پیراؤنگ مہاؤنگسا نے ایک مسلمان عالم شیخ عبداللہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا جس کا نام سلطان مُزلَف شاہ رکھا گیا۔ اس راجہ نے اپنی ساری زندگی اسلام کی اشاعت میں صرف کردی اور مرنے سے پہلے ریاست کویڈا کے ایک بڑے حصے کو بت پرستی کی لعنت سے آزاد کردیا۔

ملایا سے اسلام کا اثر سیام[1] پہنچا اور سنگاپور کے مسلمان تاجروں نے اسے ہند چینی تک پہنچا دیا۔ اس وقت ان دونوں ممالک میں اسلام کا جتنا اثر پایا جاتا ہے وہ سب انہی تاجروں کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔

## جاوا

جزائرِ ملایا میں ہندویت اور بت پرستی کا سب سے زیادہ اثر جزیرۂ جاوا میں تھا۔ مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیمات کے باوجود داوہام پرستی کے عقائد صدیوں تک ان لوگوں کی طبیعتوں پر مستولی رہے اور منو کی دھرم شاستر کے رواج کا تو 1768ء تک پتا چلتا ہے لیکن اِن تمام عمیق اور راسخ اثرات کو اسلام کے خاموش مبلغوں نے صدیوں کے اندر بالکل دور کردیا اور اس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ تمام جزیرۂ جاوا کی آبادی باستثنائے قلیل، مسلمان ہوچکی ہے اور جاوی مسلمانوں کا شغف دینی شرق الہند کے جزائر میں سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔[2]

اِس عظیم الشان کام کی ابتدا ایک جاوی تاجر حاجی پُردانے کی جو پاجاجارن کے راجہ کا بڑا بیٹا تھا۔ اس نے تخت وتاج اپنے چھوٹے بھائی کے لیے چھوڑ دیا اور خود مالِ تجارت لے کر ہندوستان

---

[1] سیام کو آج کل تھائی لینڈ کہتے ہیں۔ یہاں کا حکمران اور اکثر لوگ بدھ مت کے پیرو ہیں۔ 26 لاکھ اور بقول بعض 60 لاکھ مسلمان بھی آباد ہیں جو زیادہ تر جنوبی تھائی لینڈ میں رہتے ہیں۔ بنکاک تھائی لینڈ کا دارالحکومت ہے۔

[2] یہ ذکر بیسویں صدی کے آغاز کا ہے۔

پہنچا۔ یہاں آ کر متاعِ دنیا کے بجائے متاعِ آخرت اُسے نصیب ہوگئی اور اُس نے سب کچھ چھوڑ کر اپنی زندگی کا مقصد صرف اس نعمت سے اپنے ہم وطنوں کو بہرہ ور کرنا قرار دے لیا۔ چنانچہ ایک عرب عالم کو لے کر جاوا پہنچا اور تمام عمر اسلام کی خدمت کرتا رہا۔ اس کے بعد عربی اور ہندی تاجروں اور سیاحوں کی توجہ اس جزیرے کی طرف منعطف ہوگئی اور انہوں نے کثرت سے یہاں آ کر سواحل پر اسلام کی اشاعت شروع کردی۔ اس قسم کے سیاحوں کی بڑی جماعت چودھویں صدی میں مولانا سید ابراہیم کی زیر قیادت گریسک (Gresik) میں وارد ہوئی اور اس کو جاوا کی تاریخ میں سب سے پہلی مرتبہ یہ کامیابی حاصل ہوئی کہ چرمن کے راجہ نے اسلام قبول کرلیا اور یہیں سے قریبی ریاستوں میں اسلام پھیلنا شروع ہوگیا۔

## راڈن رحمت کا ظہور رحمت

پندرہویں صدی میں جزیرہ جاوا کا سب سے بڑا اسلامی مبلغ راڈن رحمت پیدا ہوا جس نے اسلام کو غربت کے بوریے سے اٹھا کر بادشاہی اور بالادستی کے تخت پر پہنچادیا۔ اُس نے شاہانہ ناز ونعم میں پرورش پائی تھی اور اگر چاہتا تو خود بھی کسی تخت کا مالک بن جاتا مگر اُس کے دل میں اپنی نفسانیت کی خدمت کے بجائے اپنے مذہب کی خدمت کا جوش بھرا ہوا تھا۔ اس لیے اپنی زندگی کا مقصد وحید صرف تبلیغ واشاعت اسلام کو قرار دیا اور وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ (الشعرا:214) ترجمہ: ''اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ'' کے ارشاد ربانی کے مطابق سب سے پہلے اپنے خاندان سے تبلیغ کا کام شروع کیا۔ اُس نے اپنے نانا کو، جو چمپا کا راجہ تھا، اسلام کی دعوت دی۔ پھر ''پالم بانگ'' پہنچا اور اپنے رشتے کے بھائی آریہ وامر کو جو راجہ کی طرف سے وہاں کا گورنر تھا مسلمان کرلیا۔ اس کے بعد مولانا جُمادَی الکُبریٰ کی معیت میں ''ماجاپاھت'' پہنچا اور راجہ کو جو اُس کا خالو تھا، اسلام کی دعوت دی۔ راجہ نے خود تو اسلام قبول نہیں کیا مگر اسے امپل کا گورنر مقرر کر کے پوری آزادی کے ساتھ اشاعتِ اسلام کی آزادی دے دی۔ چنانچہ اس نے اپنے زمانۂ گورنری میں امپل کے تقریباً تین ہزار خاندانوں کو مسلمان کیا اور اسلامی مبلغین کی ایک بڑی جماعت کو

اطراف و جوانب کے جزیروں اور ریاستوں میں پھیلا دیا۔ شیخ خلیفہ حسین، جس نے مدُورا کو اسلام کی روشنیوں سے معمور کر دیا تھا، اسی کا فرستادہ تھا۔ مولانا اسحاق جنہوں نے ریاست ''بالمنگن'' میں اسلام کی اشاعت کی، اُسی کے فیض یافتوں میں سے تھے۔ راڈن پاکو (Raden Paku)، جس نے گریسک کے علاقہ میں بت پرستی کا کھوج مٹا دیا تھا، اسی کے فیض تربیت کا پروردہ تھا۔ خود اُس کے دونوں بیٹے بھی جاوا کے مشہور اسلامی مبلغین میں شمار ہوتے ہیں اور اس کے دو قریبی رشتہ دار راڈن پٹہ (Raden patah) اور راڈن حسین، جاوا کی تاریخ میں اس حیثیت سے بہت مشہور ہیں کہ انہوں نے ہندو مذہب کی سب سے بڑی قوت یعنی ''ماجاپاہت'' کو قطعی طور پر مسخر کرلیا۔ راڈن حسین نے ''ماجاپاہت'' کی فوج کو سپہ سالار رہونے کی حیثیت سے اسلام کی دعوت دی اور راڈن پٹہ نے 1478ء میں کفر کو آخری شکست دے کر ''ماجاپاہت'' کو ایک اسلامی حکومت بنا دیا۔

مغربی جاوا میں اشاعت اسلام کا کام اس سے بھی زیادہ مشکل تھا کیونکہ وہاں کے ہندو عام جاویوں سے بھی زیادہ راسخُ العقیدہ تھے۔ اگرچہ وہاں مولانا حسن الدین چیریبُونی[1] جیسے زبردست اسلامی مبلغین نے بڑی سرگرمی سے اسلام کی تبلیغ کی تھی لیکن ہندومت ایک عرصے تک دین الٰہی کا مقابلہ کرتا رہا؛ یہاں تک کہ سولہویں صدی میں حق کی آخری فتح ہوئی اور ''پاجاجارن'' کی ہندو ریاست کلیتاً مسلمان ہوگئی۔

اِس طرح بارہویں صدی سے شروع ہوکر سولہویں صدی تک چار سو برس کے عرصے میں جزیرۂ جاوا کی تسخیر مکمل ہوگئی اور بغیر کسی قتل وخون کے محض تبلیغ وتلقین کی قوتوں سے ہندومت نے اسلام کے مقابلے میں ہتھیار ڈال دیے۔

## مجموعۂ جزائر ملکا

جاوا کے بعد اسلامی قوت کا دوسرا مخزن ''مجموعۂ جزائر ملکا'' ہے۔ یہاں اسلام کی اشاعت

[1] چیری بون (Cheribon) جاوا کا ایک ساحلی مقام

بہت بعد میں ہوئی ہے۔ بلکہ اکثر مقامات پر تو ہسپانی اور پُرتگالی تجارت اور اسلام دونوں ساتھ ساتھ پہنچے اور پرامن مسلمان تاجروں نے جنگ آزما مسیحیت کے مقابلے میں اپنے مذہب کی کامیاب تبلیغ کی۔ پندرہویں اور سولہویں صدی عیسوی کے درمیان یہاں جاوا اور ملایا کے تاجروں نے، جو لونگ اور مسالے کے جہاز بھر کر لاتے تھے، اسلام کی اشاعت شروع کی اور تھوڑے ہی عرصے میں اُن کے ذوقِ تبلیغ نے یہ کرشمہ دکھایا کہ پورے مجموعۂ جزائر میں اسلام پھیل گیا اور چار زبردست اسلامی حکومتیں قائم ہوگئیں۔ ایک ٹرنیٹ (Ternate) کی حکومت تھی جس کا سلطان ٹرنیٹ الماہرہ (Helemaher) کے ایک معقول حصہ پر حکمران تھا۔ دوسری ٹیڈور کی حکومت تھی، جس میں جزیرہ ٹیڈور (Tidor)، الماھرہ کا ایک حصہ، سیرام کا ایک حصہ اور نیوگیانا کا مغربی حصہ شامل تھا۔ تیسری حکومت سلطان گلولو (Gilolo) کی تھی جو وسط الماہرہ اور شمالی سیرام پر حکومت کرتا تھا اور چوتھی بتجان (Batjan) کی حکومت تھی جس کا اقتدار جزیرۂ بتجان اور جزائر اوبی (Obi) پر حاوی تھا۔ یہ چاروں سلطنتیں کچھ مدت تک بہار دکھانے کے بعد مسیحی استعمار کی بادِ سموم سے مرجھا کر فنا ہوگئیں مگر اسلام کا وجود نہ ان کا منت کش تھا اور نہ اُن پر انحصار رکھتا تھا۔ چنانچہ اب[1] ہالینڈ وغیرہ کی مسیحی طاقتوں میں تقسیم ہوجانے کے بعد بھی جزائر ملکا میں نہایت تیزی کے ساتھ اسلام پھیل رہا ہے اور عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ جب اسلام کے سوا وہاں اور کوئی مذہب نہ رہے گا۔

اِن جزائر میں سب سے پہلے جزیرۂ ٹیڈور اسلام کا حلقہ بگوش ہوا۔ پندرہویں صدی میں ایک عرب تاجر شیخ منصور نے یہاں کے راجہ کو مسلمان کر کے اُس کا نام جمال الدین رکھا۔ 1521ء میں جب ہسپانوی مستعمرین (آبادکاروں) کی دوسری مہم یہاں پہنچی ہے تو جمال الدین کا بیٹا سلطان منصور حکمران تھا اور اسلام کو پھیلے ہوئے صرف پچاس سال گزرے تھے۔ پرتگالی

[1] یہ 1925ء کی بات ہے۔ 1950ء میں ان جزائر کو غیر ملکی تسلط سے آزادی حاصل ہوگئی۔

تاجروں کا بیان ہے کہ ٹرنیٹ میں ٹیڈور سے بھی پہلے اسلام کی اشاعت ہوچکی تھی۔ چنانچہ 1521ء میں، جب پرتگالی مہم وہاں پہنچی تھی، اُس کا مؤرخ لکھتا ہے کہ یہاں اسلام کو پھیلے ہوئے 80 برس گزر چکے ہیں۔ اس جزیرے میں اشاعت اسلام کا عجیب قصہ ہے۔ ایک جاوی تاجر داتو ملاحسین جو اپنی تجارت کے سلسلے میں یہاں آکر مقیم ہوا تھا، روزانہ صبح کو بلند آواز سے قرآن پڑھتا تھا۔ اس کی آواز پر بت پرست عاشق ہوگئے اور کثرت سے اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ تھوڑی مدت میں اُس نے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت پیدا کرلی اور آخر 1495ء میں خود راجہ نے بھی گریسک جاکر اسلام قبول کرلیا۔

امبوئنا (Amboina) میں ایک مقامی تاجر ''پاٹی پوٹہ'' (Pati Puttah) نے اسلام کی روح پھونکی اور جاوا سے اس متاعِ گراں بہا کو لاکر تمام سواحل امبوئنا میں اُسے پھیلا دیا۔ یہ پرتگالی استعمار کے ابتدائی عروج کا زمانہ تھا، پرتگالیوں نے تلوار کی قوت سے اُس مذہب کی ترقی کو روکنا چاہا جس سے دراصل وہ صلیبی لڑائیوں کا بدلہ لینے کے لیے نکلے تھے مگر ان کے سخت مقابلے کے باوجود دین حق کی ترقی پر کوئی اثر نہیں پڑا، بلکہ عام باشندوں میں اس کو کچھ زیادہ ہی مقبولیت حاصل ہوگئی۔ چنانچہ جب سولہویں صدی کے اواخر میں پرتگال اپنے اندرونی خدشوں میں مبتلا ہوا تو امبوئنا والوں نے تمام مسیحی مشنریوں کو مار مار کر نکال دیا اور جوق در جوق اسلام کے دائرے میں داخل ہونے لگے۔ اِن جزائر کے ساتھ تجارتی تعلقات ہونے کی وجہ سے ملکا کے بقیہ جزائر بھی مسلمان ہوگئے۔

## جزیرہ بورنیو

1521ء میں گلولو کا راجہ مسلمان ہوا۔ اس صدی میں بورنیو (Borneo) بھی نور اسلام سے فیض یاب ہوا۔ سب سے پہلے ریاست ''بنجرماسن'' (Banjarmasin) نے اسلام قبول

کیا۔ پھر شمالی بورنیو کی ریاست برونائی مسلمان ہوئی[1]۔ اس کے بعد 1550ء میں پالمبانگ کے تاجروں نے سوکڈنا (Sukadana) کی ریاست میں اسلام پھیلایا اور 1590ء میں بورنیو کا سب سے طاقت ور راجہ مسلمان ہوگیا، جس کا نام سلطان محمد صفی الدین رکھا گیا۔ 1600ء میں جب ایک مغربی سیاح بورنیو پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ تمام سواحل مسلمان ہو چکے ہیں اور صرف اندرونی علاقے میں کفر و بت پرستی کا اثر باقی ہے۔ اٹھارویں صدی کی ابتدا سے اندرونِ بورنیو میں بھی اسلام کی اشاعت شروع ہوگئی۔ ایک طرف سرمایہ دار ارمنظم مسیحی جماعتیں اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہی ہیں اور دوسری طرف منتشر اور بے زر مسلمان تاجر اپنے دین کی طرف بلا رہے ہیں مگر دنیا یہ دیکھ کر حیران ہے کہ مسیحی ناکام ہیں اور مسلمان کامیاب۔ اُنہوں نے چند سال کی کوششوں سے شمالی بورنیو کی ایک بہت بڑی قوم ''ایدان'' کو مسلمان کر لیا ہے اور وسطِ بورنیو کی ''ڈائک'' قوم بھی مسیحیت کے مقابلے میں اسلام کو زیادہ پسند کرتی ہے۔

## جزیرہ سیلبس یا سیلیبز

جزیرہ سیلبس (Celebes) میں بھی اسلام کی اشاعت اسی عام اصول کے مطابق ہوئی کہ پہلے جاوی اور ملائی تاجر اسلام کو لے کر سواحل پر پہنچے اور پھر دیسی تاجروں کے ذریعے وہ اندرونِ ملک پہنچ گیا۔ 1540ء میں جب پرتگالی مستعمرین یہاں پہنچے تو اسلام کی ابتدا ہو رہی تھی اور صرف گوا (Gova) میں چند مسلمان رہتے تھے۔ ساٹھ سال کے اندر اندر اسے اتنی ترقی ہوئی کہ تمام سواحل مسلمان ہوگئے اور مکاسر کی ریاست نے راجہ سمیت اسلام قبول کیا۔ مکاسر سے اَلفُر اَور بوگی قوموں میں اُس کی اشاعت ہوئی اور مؤخرالذکر قوم پر اُس کا یہ اثر ہوا کہ

---

[1] بورنیو مجمع الجزائر ملایا میں سب سے بڑا جزیرہ ہے جو جنگلوں، پہاڑوں اور معدنیات کی کانوں سے بھرا ہوا ہے۔ انیسویں صدی میں ولندیزیوں نے اس جزیرے کے اکثر حصے پر اپنا تسلط قائم کر لیا تھا لیکن 1949ء میں یہ تمام علاقہ انڈونیشیا میں شامل ہوگیا اور آج کل کالی منٹن کہلاتا ہے۔ باقی حصہ ملایا والوں کے قبضے میں ہے۔ بورنیو کی ریاست برونائی غالباً اسلام کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ یہاں کی ''عمر علی سیف الدین مسجد'' قابل دید ہے۔ بورنیو میں مسلمانوں کی تعداد 13 کروڑ کے لگ بھگ ہے۔

اُس کے تمام فطری قابلیتیں جاگ اٹھیں۔ اُس کی ذہانت، جفاکشی اور مستعدی نے اُسے جزائر ملکا کی سب سے زیادہ مہذب قوم بنا دیا اور اب وہ ایک مبلغ قوم کی حیثیت سے شرق الہند میں ایک خاص حیثیت رکھتی[1] ہے۔ نیوگیانا سے لے کر سنگاپور تک اس کے تاجر اپنے جہاز لے کر پھرتے ہیں اور اُن کے اثر سے نہایت تیزی کے ساتھ اسلام پھیل رہا ہے۔ سُمباوا، لومبوک (Lombok) جزیرۂ چوبِ صندل وغیرہ تمام جزائر میں اس کی بدولت دینِ مبین کی اشاعت ہوئی اور خود سیلبس میں اُس نے مسیحیت کو نہایت زبردست شکست دی۔ اٹھارویں صدی میں مسیحی مبلغین نے بولانگ (Bolaang) اور مونگونڈاؤ (Mongondou) کے راجہ کو عیسائی کر لیا تھا اور اُس کے اثر سے پوری ریاست عیسائی ہو گئی تھی مگر بوگی تاجروں نے ایک صدی کے اندر اندر اُسے عیسائیت کے چنگل سے آزاد کرا لیا اور آخر 1844ء میں خود راجہ جیکوبس نے اسلام قبول کر لیا۔

## جزائر فلپائن

نئے اسلام کے اعجازِ تسخیر کا سب سے بڑا مظاہرہ جزائر فلپائین میں ہوا۔ یہاں اسلام کی ابتدا ملایا کے ایک تاجر شریف کابُنگ سُوان نے کی تھی جو اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ منڈاناؤ میں آ کر آباد ہوا تھا۔ یہاں اُس نے کثرت کے ساتھ اہل فلپائن کو مسلمان کیا اور اس کے بعد مسلمان تاجروں کی آمد اور اسلام کی اشاعت کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ اِن وحشی قبائل میں اسلام کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ 1521ء میں جب ہسپانوی مستعمرین وہاں پہنچے تو اُنہوں نے مسلمانوں اور کافروں کی معاشرت، تہذیب اور اخلاق میں ایک نمایاں امتیاز پایا اور اُنہیں حیرت ہوئی کہ اس قلیل عرصے میں بت پرست وحشیوں کی زندگی میں یہ عظیم انقلاب کیونکر پیدا ہو گیا۔ چونکہ یہاں اسلام کا اثر بہت حدیث العہد (تازہ) تھا اس لیے ہسپانیہ نے اسے مٹا کر مسیحیت کو پھیلانے

[1] یہ اُنیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز کا ذکر ہے۔

کے لیے نہایت سخت کارروائیاں شروع کیں اور تلوار کے زور سے قبائل کو عیسائی بنانے لگے۔ یہ سلسلہ بیسویں صدی کے مہذب ایام کی ابتدا تک جاری رہا اور اسپین نے مذہب کی خاطر ظلم وستم ڈھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ لیکن اِس کے باوجود وہاں مسیحیت کے مقابلے میں اسلام کی اشاعت نہایت تیزی کے ساتھ ہوئی کیونکہ فلپائن کے لوگ ہزاروں کی تعداد میں تمام اطراف سے بھاگ بھاگ کر منڈاناؤ اور سُولُو کی اسلامی ریاستوں میں آتے تھے اور فوج درفوج اسلام قبول کرتے تھے اور پھر حیرت یہ ہے کہ انیسویں صدی کے آخر میں جب یہاں امریکہ کا تسلط ہوا اور مذہبی تشدد کا دور ختم ہوگیا تو اشاعت اسلام کی وہ تیز رفتاری بھی باقی نہیں رہی۔ تاہم زمانۂ امن میں مسلمان تاجر نہایت کثرت کے ساتھ اطراف میں پھیل گئے اور جدید ترین خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں خاموش اسلامی تبلیغ کا سلسلہ نئے سرے سے جاری ہوگیا ہے۔[1]

## نیوگنی

نیوگیانا میں اسلام کی اشاعت جدید ترین عہد سے تعلق رکھتی ہے اور زیادہ تر سواحل تک محدود ہے۔ ابتداً اُس کا مغربی علاقہ سلطان بجتان کے تابع فرمان تھا اِس لیے سولہویں صدی میں شمال مغربی گیانا میں اسلام کا اثر زیادہ وسعت اختیار کر گیا۔ 1606ء میں مسلمان تاجر اُسے مغرب کی طرف بھی لے گئے اور جزیرہ نمائے اونین (Onin) کی بت پرست آبادی میں اسلام کو پھیلا دیا مگر

[1] فلپائن 1946ء سے ایک آزاد جمہوریت ہے جو بہت سے جزیروں پر مشتمل ہے۔ مسلمانوں کی تعداد 65 لاکھ کے قریب ہے جو بیشتر جزائر سولو اور جنوبی جزیرے پلوان میں پائے جاتے ہیں شمالی فلپائن میں مسلمان اقلیت میں ہیں، اکثریت عیسائیوں کی یا لامذہب لوگوں کی ہے، مرکزی حکومت میں عیسائیوں کا غلبہ ہے۔ مسلمان عدل وانصاف سے محروم ہیں، چنانچہ جنوبی فلپائن میں مورو مسلمانوں کی تحریک جہاد ''مورو اسلامک فرنٹ'' کے نام سے جاری ہے جس کا موقف یہ ہے کہ جن جزائر میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں اُن کو سیاسی اعتبار سے آزادی اور خودمختاری حاصل ہونی چاہیے۔ فیلیا یونیورسٹی میں مسلمان طلبہ کی ایک فعال تنظیم تبلیغ اسلام کے لیے مؤثر کام کر رہی ہے۔ یہ تنظیم مقامی زبان ٹگالو میں سید مودودیؒ کی کتب کے ترجمہ واشاعت کا کام بھی کر رہی ہے۔ اسی نوعیت کا کام جنوبی فلپائن کے جزیرہ منڈاناؤ کے شہر مرادی میں جنوبی فلپائن کی زبان مارانا ؤ میں بھی ہو رہا ہے اور متعدد کتب ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ ''مورو اسلامک فرنٹ'' بھی ان تبلیغی اور اشاعتی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لے رہا ہے اور مورو مسلمانوں کی نوجوان نسل اسلام اور جہاد کے لیے اپنی توانائیاں صرف کر رہی ہیں۔

اِن اطراف میں اشاعت اسلام کا اصل زمانہ انیسویں صدی کا ہے۔ انیسویں صدی کے وسط میں جزیرہ آدِی (Adi) نے اسلام قبول کیا اور بیسویں صدی کی ابتدا میں سیرام اور گورام کے مسلمان تاجروں نے پُلاواوغیرہ جزائر کو اسلام سے روشناس کیا۔ جزائر کائی (Kai) میں انیسویں صدی کے وسط تک مسلمانوں کا نام ونشان نہ تھا۔ صرف جزیرہ بَندا (Banda) کے چند تاجر رہا کرتے تھے۔ دفعتاً 1887ء میں تبلیغ کا کام شروع ہوا اور تھوڑی ہی مدت میں مَدُورا، جاوا اور بامی کے مسلمانوں تاجروں نے اس قدر کثرت کے ساتھ جزائر کائی کے باشندوں کو مسلمان کرلیا کہ اس وقت وہاں مسلمانوں کی تعداد سولہ ہزار سے متجاوز ہے جو کل آبادی کے نصف کے برابر ہے۔[1]

مجمع الجزائر ملایا میں اسلام کی عظیم الشان کامیابی، جس کا مختصر سا حال آپ نے اِن سطور میں ملاحظہ کیا ہے، چھ صدیوں کی خاموش مساعی کا نتیجہ ہے جو زیادہ تر تاجروں اور عام سیاحوں نے انجام دی ہیں۔ اُن کے پاس کوئی تلوار یا حاکمانہ قوت نہیں تھی، بلکہ صرف تبلیغ دین الٰہی کا ایک زندہ تابندہ ذوق وشوق تھا، جس نے اُنہیں اپنے سفر کے خطرات ومہالک اور تجارتی منافع کی زر پرستانہ زندگی میں بھی مذہب کی خدمت کا والہ وشیدا بنائے رکھا اور اُن کے اندر ایسی شیفتگی پیدا کردی کہ اُنہوں نے تمام دوسرے مقاصد کو ثانوی درجہ دے کر صرف دعوت الی الخیر اور تبلیغ دین مبین کو اپنا اولین مقصد قرار دیا۔ جدید دور میں بھی، جبکہ تمام دنیا کے مسلمان باستثنائے افریقہ فرض سے غافل ہوگئے ہیں، شرق الہند کے عام مسلمانوں میں یہ ذوق باقی ہے۔[2] چنانچہ ہم دیکھتے ہیں

---

[1] 1925ء کے قریبی زمانے میں۔

[2] جزائر شرق الہند یا جزائر ملایا اب انڈونیشیا اور ملائیشیا کہلاتے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم میں جب جاپانیوں نے مجمع الجزائر ملایا پر قبضہ کیا تو یہاں ولندیزی تسلط کی گرفت ڈھیلی پڑگئی۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر جاوا اور سماٹرا کے قوم پرستوں نے 1945ء میں ایک جمہوری حکومت قائم کرلی جس کی آزادی اور خودمختاری کو ہالینڈ نے 1947ء میں تسلیم کرلیا۔ اس طرح ایک ہی سال کے اندر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت پاکستان کے قیام کے پہلو بہ پہلو جنوب مشرقی ایشیا میں ایک نئی سلطنت ''جمہوریہ انڈونیشیا'' کے نام سے ظہور میں آئی جس کی غالب آبادی مسلمان ہے۔ انڈونیشیا کو باقاعدہ آزادی 17 اگست 1950ء کو حاصل ہوئی اس طرح یہ اپنے قیام کے زمانے میں دنیا کی دوسری بڑی اسلامی مملکت تھی۔ اس وقت انڈونیشیا کی آبادی 22 کروڑ کے لگ بھگ ہے جس میں نوے فی صد مسلمان ہیں۔ فیڈریشن آف ملیشیا کی کل آبادی دو کروڑ سے زائد ہے جس میں مسلمانوں کا تناسب 59 فی صد ہے۔ (جاری ہے۔۔۔)

کہ اب بھی وہاں تاجروں اور کاروباری آدمیوں کے علاوہ حکومت ہالینڈ کے سرکاری ملازم تک تبلیغ اسلام کے فرائض انجام دیتے ہیں اور ان لوگوں نے ملائی زبان کو اس قدر کثرت کے ساتھ اسلامی لٹریچر سے بھر دیا ہے کہ جو غیر مسلم سرکاری زبان ہونے کی حیثیت سے اس کو سیکھتے ہیں وہ اسلامی تعلیمات سے ضرور متاثر ہوتے ہیں اور اکثر اوقات مسلمان ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

QuranUrdu.com

(گزشتہ سے پیوستہ) گزشتہ کئی برسوں سے انڈونیشیا امریکی سازشوں اور عیسائیوں کی سفاکانہ سرگرمیوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔1999ء میں جزیرہ تیمور کا مشرقی حصہ یعنی مشرقی تیمور عیسائی آبادی کی اکثریت کی بنا پر ایک استصواب کے ذریعے آزادی حاصل کر چکا ہے۔فوج میں عیسائی افسروں کی غالب اکثریت کی وجہ سے متعدد جزائر میں مسلمان وسیع پیمانے پر قتل وغارت گری کا نشانہ بن رہے ہیں۔

ساتواں باب

# دعوت عمل

یہ طویل داستان سرائی محض اس لیے نہیں تھی کہ اس سے کچھ افسانہ ہائے پارینہ کو چھیڑنا مقصود تھا بلکہ اس سے دراصل ہم یہ بتانا چاہتے تھے کہ اسلام کی دینی اور دنیاوی قوت کا اصلی سرچشمہ وہی دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے جس پر اس کی ساری زندگی کی بنیاد رکھی گئی تھی اور جس کے لیے مسلم نام کی ایک قوم کو حضرت حق جل شانہٗ نے پیدا کیا تھا، اور چونکہ پیغام کی فطرت اس بات کو چاہتی ہے کہ اُسے مُرسَل الیٰہ تک پہنچایا جائے اس لیے تبلیغ خود اسلام کی فطرت میں شامل ہے۔ اسلام حقیقت میں ایک الٰہی پیغام ہے جس کی مخاطب کرۂ ارض کی تمام بشری مخلوقات ہے اور ہر شخص جس تک یہ آسمانی برکتوں کا پیغام پہنچ جائے اس امر پر عنداللہ مامور ہے کہ اپنے بنی نوع کے زیادہ سے زیادہ افراد تک اس کو پہنچادے۔ یہی حقیقت تھی جس کو آیت کریمہ:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

ترجمہ: دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ (آلِ عمران:110)

میں ظاہر کیا گیا تھا، اور یہی مقصد تھا جسے پورا کرنے کے لیے اللہ عزوجل نے مسلمانوں کی قوم کو پیدا کیا تھا کہ:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

ترجمہ: تم میں سے کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہییں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں، اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ (آلِ عمران:104)

اِس ماموریت کے احساس نے اسلام کی تیرہ سو سالہ زندگی میں جو حیرت انگیز کرشمے دکھائے ہیں اُن کا ایک نہایت مختصر سا خاکہ پیش کیا جاچکا ہے۔ اس کے مطالعہ سے یہ حقیقت خوب روشن ہوگئی ہوگی کہ جن مسلمانوں میں اپنے مسلمان ہونے کی ذمہ داری کا احساس موجود تھا انہوں نے کس طرح ''اے نبیؐ: اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو، حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ ترجمہ: اے نبیؐ: اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو، حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ (النحل:125) کے امر الٰہی پر عمل کرتے ہوئے محض تلقین وتبلیغ کی قوت سے ایک دنیا کو اسلام کے لیے مسخر کرلیا۔ افریقہ کے وسیع براعظم میں بغیر کسی جبر اور لالچ اور مکر ودغا کے جس طرح کروڑوں آدمی اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے، چین میں بغیر کسی مادی اور جباری قوت کے جس طرح آبادیوں کی آبادیاں اسلام کی تابع فرمان بن گئیں، جزائر ملایا میں نہتے اور بے زور تاجروں کے ہاتھوں جس طرح 4/5 آبادی خدائے واحد کی پرستار بن گئی، تاتارستان کے مسلم کش اور خونخوار وحشیوں کو ضعیف اور نازک عورتوں اور بے نوا درویشوں نے جس طرح اسلام کے آستانۂ رحمت پر لاکر جھکا دیا اُس کی بصیرت افروز داستان ہم نے اسی احساس کے کرشمے دکھانے کے لیے اپنے برادرانِ ملت کے سامنے پیش کی ہے اور اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اُن میں بھی کسی طرح یہ احساس جاگ اُٹھے۔

## 1857ء کے بعد کی تبلیغی سرگرمیاں

1857ء کی ناکام جنگِ آزادی کے زمانے میں مسلمانانِ ہند کی اسلامی حمیت کو جو دلگداز صدمات پہنچے تھے اُنہوں نے کچھ عرصے کے لیے اِن کی دینی حِسیات کو بیدار کردیا تھا اور اُس کی بدولت 1857ء کے بعد تقریباً چالیس سال تک اشاعت اسلام کا کام نہایت تیزی کے ساتھ ہوتا رہا، مگر افسوس کہ بعد میں اِستیلائے کفار کے اثر سے وہ دینی احساس اور وہ ذوق تبلیغ ختم ہوگیا اور خدمت دین کا وہ عام جوش جو کچھ عرصے کے لیے پیدا ہوگیا تھا آپس کی کفر بازیوں اور باہمی جنگ وفساد میں کام آنے لگا۔ انیسویں صدی کے نصف آخر کی تاریخ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو یہ

حیرت انگیز واقعہ ہمارے سامنے آتا ہے کہ اس زمانے میں کوئی باقاعدہ تبلیغی نظام قائم نہ ہونے کے باوجود نومسلموں کی تعداد میں ہر سال دس ہزار سے لے کر چھ لاکھ تک اضافہ ہوتا رہا ہے۔ اس زمانے میں علماء اور واعظین کی ایک بہت بڑی جماعت ایسی پیدا ہوگئی تھی جس نے اپنی زندگی تبلیغ دین کے لیے وقف کر دی تھی اور اپنی انفرادی حیثیت میں شہر در شہر پھر کر سیکڑوں آدمیوں کو مشرف بااسلام کیا تھا۔ اِن کے علاوہ عام کاروباری مسلمانوں میں بھی یہ ذوق اِس قدر پھیل گیا تھا کہ دفتروں کے ملازم اور معمولی دوکاندار تک اسلام کی اشاعت کرتے تھے۔ چنانچہ انجمن حمایت اسلام کی پرانی رپورٹوں میں ہم مدارس کے اساتذہ، سرکاری محکموں کے ملازموں، چھوٹے چھوٹے تاجروں حتیٰ کہ ایک اونٹ گاڑی والے تک کو اپنے دین کی اشاعت میں مشغول پاتے ہیں۔

**لیکن اب۔۔۔۔**

موجودہ دور میں اشاعت اسلام کی سست رفتاری کی وجوہ پر اگر غور کریں تو یہ بات بالکل صاف نظر آتی ہے کہ اِس کی ذمہ داری صرف ہماری اپنی ہی غفلت اور دینی بے حسی پر عائد ہوتی ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ اسلام آج بھی وہی ہے جو پہلے تھا۔ اِس کی فطرت میں کوئی تغیر نہ ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے، البتہ ہم بدل گئے ہیں۔ ہماری زندگی بدل گئی ہے۔ ہمارے جذبات وحسیات بدل گئے ہیں اور یہ سب تنزل اِسی کا نتیجہ ہے۔ پس آج اگر ہندوستان میں اشاعت اسلام کا مسئلہ ایک نازک صورت اختیار کر گیا ہے تو اِس کا صحیح حل یہ نہیں ہے کہ ہم کانفرنسوں پر کانفرنسیں منعقد کریں، انجمنوں پر انجمنیں بنائیں، رسالوں پر رسالے شائع کریں اور محض شور وشغب میں اپنا وقت ضائع کر دیں، بلکہ اس کا اصلی حل یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو مسلمان بنائیں، ان میں صحیح اسلامی روح پھونک دیں، اُن کی زندگیوں کو خالص اسلامی زندگی کے قالب میں ڈھال دیں، اُن کے اندر سے اُن تمام باطل عقائد، مبتدِعانہ رسوم اور غلط عادات کو دور کر دیں جو صدیوں تک ایک مشرک قوم کے ساتھ رہتے رہتے پیدا ہوگئی ہیں، اور اُن کے اندر مذہبیت کا ایسا جذبہ پیدا کر دیں جو ہر مسلمان کو اپنے دین کا ایک سرگرم مبلغ بنا دے۔

ہم نے جگہ جگہ اِس بات پر زور دیا ہے کہ مسلمانوں نے کبھی عیسائیوں کی طرح مشنری سوسائٹیاں بنا کر کام نہیں کیا۔ اِس سے مراد یہ نہیں ہے کہ ہم تنظیم کے ساتھ کام کرنے کے مخالف ہیں بلکہ دراصل مراد یہ ہے کہ یہ کام محض ایک جماعت یا چند جماعتوں کا نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے مسلمانوں میں تبلیغِ دین کے ایک ایسے عام ذوق کی ضرورت ہے کہ ہر مسلمان اپنے آپ کو اس مقدس کام کے لیے ماجور سمجھنے لگے۔

## محض تبلیغی جماعتیں یا ہمہ گیر ذوقِ تبلیغ؟

اگر عام مسلمان اِس ذوق سے بے بہرہ رہیں اور محض ایک انجمن یا چند انجمنوں پر یہ کام چھوڑ دیا ئے تو ہم کبھی غیر مسلموں کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ ہر جگہ مسلمانوں کا عام ذوقِ تبلیغ ہی فتح و کامرانی سے سرفراز ہوا ہے۔ اگر افریقہ میں مسلمانوں کا یہ عام ذوق نہ ہوتا اور صرف چند انجمنیں ہی فریضۂ تبلیغ کو انجام دینے کے لیے چھوڑ دی جاتیں تو عیسائیوں کی بدرجہا زیادہ طاقت ور اور دولت مند سوسائیٹیوں کے مقابلے میں اُنہیں قیامت تک وہ کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی تھی جس پر آج ساری مسیحی دنیا انگشت بدنداں رہ گئی ہے۔ اسی طرح اگر مجمع الجزائر ملایا میں عام تاجروں اور سیاحوں کا جذبۂ خدمتِ دینی کام نہ کرتا اور صرف وہ چند عربی اور ہندی واعظین اور علماء ہی دعوتِ اسلام کا فرض انجام دیتے جو وقتاً فوقتاً وہاں پہنچتے رہے تھے تو شاید آج بحرالکاہل کے ساحلوں پر اذان کی وہ گونج اس کثرت سے سنائی نہ دیتی جو آج بت پرستی اور مسیحی استعمار کی متحدہ مزاحمت کے باوجود سنائی دے رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دعوت اسلام ایک فرض کفایہ ہے جس کے لیے ایک جماعت کا کھڑا ہو جانا تمام امت کے لیے کفایت کرتا ہے لیکن شریعت کی یہ رخصت محض مسلمانوں کی آسانی کے لیے ہے نہ کہ اُنہیں دینی خدمات سے بالکل سبکدوش اور بے پروا کر دینے کے لیے۔ اس رخصت کا مطلب اگر کچھ ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ یہ فرض عاید تو تمام مسلمانوں پر ہوتا ہے، جسے سب کو ادا کرنا چاہیے، لیکن کم از کم ایک جماعت تو ایسی ضرور رہنی چاہیے جو ہمیشہ بالالتزام اسے ادا کرتی رہے اور وہ جماعت یقیناً علماء و صلحائے امت کی

جماعت ہے۔

پس ہمارے نزدیک اسلام کی اشاعت کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم غیر مسلموں کو مخاطب کرنے کے بجائے خود مسلمانوں کو مخاطب کریں اور ان میں اِس قسم کی مذہبی روح پھونک دیں کہ ہر مسلمان ایک مبلغ بن جائے۔ اِس سے نہ صرف فریضۂ تبلیغ ہی بہترین صورت سے انجام پائے گا بلکہ ہمارے سیکڑوں دینی امراض کو بھی خود بخود شفا ہو جائے گی۔

## اصلاح حال کے لیے چند عملی تدابیر

اِن مختلف اصلاحی تدابیر میں سے چند تدبیریں، جو دیگر ممالک کے تبلیغی تجربات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمارے خیال میں اشاعت اسلام کے لیے مفید ہیں ہم یہاں درج کرتے ہیں۔ امید ہے کہ زُعمائے ملت ان پر غور کریں گے:

### الف۔ ذات پات اور عدم مساوات کا خاتمہ

مسلمانوں میں سے ذات پات کے اُس امتیاز کو مٹا دیا جائے جو ہندوؤں کی ہمسائیگی سے اُن کے اندر پیدا ہو گیا ہے۔ اسلام کا یہ مساوات پرور عقیدہ کہ کوئی انسان اپنی خلقت کے اعتبار سے نجس یا ذلیل نہیں ہے، ہمیشہ اس کی کامیابی کا بڑا ذریعہ رہا ہے اور ضرورت ہے کہ ہم دوبارہ اس کو اپنے تمام معاملات میں ایک بنیادی اصول کی حیثیت سے داخل کر لیں۔

### ب۔ نسبی امتیازات کا خاتمہ

ہمارے ہاں عام طور پر نومسلموں کو نسبی مسلمانوں کے مقابلے میں ادنیٰ سمجھا جاتا ہے۔ اس غیر اسلامی عقیدے کا سختی کے ساتھ استیصال کر دینا چاہیے اور نومسلم عورتوں اور مردوں سے شادی بیاہ کے تعلقات قائم کرنے کی رسم دوبارہ زندہ ہونی چاہیے۔ ہمارے ہاں کے شرفاء اس سے پرہیز کرتے ہیں مگر ہم میں کا کوئی شریف ترین آدمی بھی رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مقابلے میں اپنی شرافت کو پیش نہیں کر سکتا جنہوں نے دو نومسلموں، یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی بیٹیاں لی تھیں اور دو نومسلموں یعنی حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو اپنی بیٹیاں دی تھیں۔

### ج۔اخوت اسلامی کا فروغ

مسلمانوں میں اخوت اسلامی کے جذبہ کو ترقی دینی چاہیے تاکہ غیر مسلموں کو اسلامی برادری میں داخل ہونے کا شوق پیدا ہو۔

### د۔عام دینی اور اخلاقی زندگی کی اصلاح:

اگر مسلمانوں کی اندرونی زندگی کی اصلاح کسی عمیق تحریک کی محتاج ہو تو کم از کم ان کی ظاہری زندگی میں ایسی اسلامی کشش پیدا کرنی چاہیے کہ غیر مسلم قومیں خود بخود ان کی طرف کھنچنے لگیں۔ مثلاً نماز با جماعت اور روزوں کی پابندی، مشرکانہ رسوم و بدعات سے احتراز اور منہیاتِ شرعیہ سے پرہیز کی عام تلقین کی جائے، کیوں کہ جب مسلمانوں کا اخلاقی درجہ بلند ہوگا تو غیر مسلموں کے دل میں اُن کی عظمت قائم ہو جائے گی۔

### ہ۔مذہبی مسائل کی تعلیم اور تبلیغی سرگرمیوں کی تحریک و ترغیب:

جمعہ کے مواعظ، شبینہ مجالس و مدارس اور عام رسائل کے ذریعے مسلمانوں کو مذہبی مسائل کی تعلیم دی جائے۔ تقابُل ادیان کے معمولی مباحث نہایت وضاحت کے ساتھ بتائے جائیں اور اُن کے اندر تبلیغ کا شوق پیدا کیا جائے۔ خصوصیت کے ساتھ مدارس کے اساتذہ، سرکاری محکموں کے ملازموں اور عام کاروباری لوگوں میں اس تحریک کو پھیلانا بہت مفید ہے، کیونکہ اُنہیں عوام سے بہت زیادہ میل جول کا موقع ملتا ہے اور وہ بہت کامیابی کے ساتھ تبلیغ کر سکتے ہیں۔

## حرفِ آخر

یہ ایک نہایت زبردست کام ہے اور اس کو انجام دینے کے لیے ضرورت ہے کہ ہمارے علماء ورسجادہ نشین حضرات اپنے حجروں سے نکلیں۔ علماء کا فرض تو ظاہر ہے کہ اُنہیں درجۂ ''خشیۃ''[1] اور انبیائے بنی اسرائیل سے مشابہت جیسی فضیلتیں کچھ مفت ہی نہیں مل گئی ہیں بلکہ اُن پر امت کی

---

[1] اس آیت کی طرف اشارہ ہے: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر:28)
ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف (صفاتِ الٰہی کا) علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔

اصلاح وہدایت کا ایک بہت بڑا بار رکھ دیا گیا ہے، جسے اٹھانے میں ذرہ برابر بھی کوتاہی کرنے پر وہ خدا کی شدید گرفت سے نہیں بچ سکتے۔ مگر ہم حضرات صوفیائے کرام کو بھی اُن کا فرض یاد دلانا چاہتے ہیں۔ جن سجادہ ہائے طریقت پر وہ جلوہ فرما ہیں وہ ارشاد وہدایت کی مسندیں ہیں۔ اِن کی وراثت اپنے ساتھ صرف چند فضیلتیں اور دنیاوی فوائد ہی نہیں رکھتی بلکہ وہ بہت سی ذمہ داریاں اور بہت سی مسئولیتیں بھی رکھتی ہے، جن کے احساس نے قدمائے متصوفین کو اسلام کی خدمت کے سوا اور کسی مطلب ہی کا نہ رکھا تھا۔ آج اگر یہ حضرات ان ذمہ داریوں کو محسوس کرلیں جو ایک مسلمان سے بیعت لینے کے بعد اُس کی اصلاح وتزکیۂ نفس کے لیے اُن پر عائد ہوتی ہیں تو مسلمانوں کے سیکڑوں مصائب کا علاج ہوسکتا ہے۔ بڑے بڑے سجادہ نشینوں اور پیرانِ طریقت کا حلقۂ ارادت کم از کم کروڑ ڈیڑھ کروڑ مسلمانوں پر مشتمل ہے[1] اور اس میں اُن کو ایسا زبردست اثر حاصل ہے کہ وہ اپنے ایک اشارے سے اُن کی زندگیوں کا نظام بدل سکتے ہیں۔ ایسی کثیر جماعت میں اسلامی خدمت کا جوش پیدا کردینا یہ معنی رکھتا ہے کہ چند ہی سال میں اس سرزمین کا نقشہ بدل جائے۔ تو کیا ہم یہ امید کرسکتے ہیں کہ یہ حضرات اپنے کاشانۂ امن وعافیت سے نکل کر اس نازک وقت میں کچھ خدا اور اُس کے دین برحق کے لیے بھی دوڑ دھوپ کریں گے؟

[1] یہ اندازہ 1925ء کا ہے، اب صورت حال یقیناً اس سے مختلف ہے۔ اب تو برعظیم پاک وہند (بشمول بنگلادیش) میں مسلمانوں کی آبادی 40 کروڑ سے متجاوز ہوچکی ہے۔ اس نسبت سے پیرانِ طریقت کا حلقۂ ارادت بھی بہت پھیل گیا ہے۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ اکثر بزرگوں کے آستانے اب جہالت وشرک اور بدعات کے مرکز بھی بن گئے ہیں۔

# داعی اور دعوت

''تاریخ کی گواہی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ جنگ میں بھی دعوت وتبلیغ کا کام جاری رکھا ہے۔ مسلمان کسی حالت میں بھی اپنے اس کام کو نہیں چھوڑ سکتا کہ وہ خلق خدا کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف بلائے۔ یہ دعوت الی اللہ کا کام مسلمان اور اُس کی زندگی کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ دعوت الی اللہ کا مقصود حاصل اُسی صورت میں ہوتا ہے جبکہ ہم عملی زندگی کی رزمگاہ میں اس دعوت کو جاری رکھیں۔ ہم میں اور عیسائی مشنریوں میں فرق یہی ہے کہ وہ کچھ پیشہ ور مشنری ہوتے ہیں جو تبلیغ کا کام کرتے ہیں لیکن مسلمان کی تبلیغ رزمگاہِ حیات میں ہوتی ہے۔ یہ تبلیغ کہیں الگ بیٹھ کر محض کسی واعظ کی حیثیت سے نہیں ہوتی بلکہ مسلمان اگر کسی منڈی میں بھی کام کرتا ہے تو ایک طرف تو وہ اپنا کاروبار کرتا ہے اور دوسری طرف لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلاتا ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی ہے اور جو کام بھی کر رہا ہے وہ ہر حالت میں داعی الی اللہ پہلے ہے اور باقی اور کچھ بعد میں۔''

(خطاب جہلم، 14 نومبر 1968ء)